

---

---

ولكن شبه لهم



ایک - ایم - طارق

---

---

© 1991 ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD.

**Published by:**  
**Islam International Publications Limited**  
**Islamabad**  
**Sheephatch Lane, Tilford,**  
**Surrey GU10 2AQ U. K.**

**Printed by:**  
**Raqeem Press**  
**Islamabad, U. K.**

**ISBN 1 85372 415 7**

Electronic version by [www.alislam.org](http://www.alislam.org)

# فہرست مضامین

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۱	لہ صیائنی صاحب کے کتابچہ کے متعلق ایک عمومی جائزہ	۱
۲	① عقیدہ حیاتِ مسیح کے متعلق لہ صیائنی صاحب کے دعوئے شجاع اُمت کی حقیقت۔	۲
۲۱	② نزولِ مسیح کے متعلق لہ صیائنی صاحب کا ایک حوالہ اور اس کا جواب۔	۳
۲۴	③ حضرت امام مالکؒ کے عقیدہ وفاتِ مسیح پر اعتراض اور اس کا جواب	۴
۲۶	④ حضرت امام ابن حزمؒ کے عقیدہ وفاتِ مسیح کے متعلق اعتراض اور اس کا جواب	۵
۳۱	⑤ وفاتِ مسیح کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اعتراض کا جواب	۶
۳۲	⑥ علامہ عبید اللہ سندھی کی تفسیر البہام الرحمن کے متعلق اعتراض کا جواب	۷
۳۸	⑦ عرب مصر اور ہندوستان کے ایک درجن سے زائد علماء کا عقیدہ وفاتِ مسیح حجت نہ ہونے کے متعلق اعتراض کا جواب	۸
۳۹	⑧ حیاتِ مسیح کے عیسائی عقیدہ کو اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور اس کا جواب	۹

۴۳	سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کی ایک اور کوشش	۹	۱۰
۴۴	حیاتِ نزولِ عیسیٰ کے بارے میں پیش کردہ قرآنی آیات کا جواب	۱۰	۱۱
۵۰	آیت یا عیسیٰ انی متوفیک وراقعت الی سے رفع جسمانی ثابت کرنے کی ناکام کوشش	۱۱	۱۲
	قائلین وفاتِ مسیح کا مقام کم تر ہونے اور ان کی تعداد معمولی ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب	۱۲	۱۳
۵۱	لُدھیانوی صاحب کا پیش کردہ علامہ ابن حجر عسقلانی کا ایک سوال	۱۳	۱۴
۵۶	اور اس کا جواب		
۶۳	وفاتِ مسیح کے متعلق قرآنِ کریم کی پہلی آیت		۱۵
۶۵	دوسری آیت " " " " " " " "		۱۶



## لُہیانوی صاحب کے کتابچے کے متعلق ایک عمومی جائزہ

مولوی محمد یوسف لُہیانوی صاحب کا ایک رسالہ ”نزولِ عیسیٰ علیہ السلام چند شبہات کا جواب“ نذر سے گزرا جو موصوت نے ایک ایسے سیدھے سادھے مسلمان کے مکتوب کے جواب میں لکھا ہے۔ جن کا احمیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مگر وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں۔ چنانچہ سائل نے اپنے خط کے آغاز میں ہی لکھا ہے کہ ”کئی تحقیقی اُمت وفاتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں“ جناب لُہیانوی صاحب نے جوابی رسالہ میں اپنی تمام تر کوشش اور سعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ثابت کرنے کے لیے کی ہے۔ وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہو گئے ہیں، اس کا اندازہ آپ کو آئندہ سطور سے ہو جائے گا۔ کیونکہ مرید کو زندہ ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بالخصوص بیسیویں صدی کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں ایک عام انسان بھی ایسے دقیقہ دہ اور پودے عقیدہ کو قبول کرے، نیکی کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا، کجایہ کہ اہل علم و عقل جن کی فراست نورِ قرآن اور نورِ مصطفویٰ سے منور ہو، یہ عقیدہ رکھیں۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ ابتدائی صدیوں میں عیسائی نو مسلموں کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوا، اور نزولِ مسیح کی پیش گوئی کے پس منظر میں بہت سے جید علماء بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ مریدِ زمانہ سے یہ عقیدہ اتنا راسخ ہوا کہ اصل الاصول سمجھا جانے لگا اور اس کے منکرین پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ بایں ہمہ ہر دور میں ایسے علماء بھی پیدا ہوتے رہے جو اپنے نورِ فراست کے باعث اس عقیدہ کو رد کرتے رہے اور

قرآن و حدیث سے اس کے خلاف استنباط فرماتے رہے لیکن اب تو زمانے کے رنگ ہی بدل چکے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس ناقابل فہم عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے۔ لدھیانوی صاحب نے وفاتِ مسیح کے قائل، سائل کو جو طفل تسلیاں دینے کی کوشش کی ہے اس کے نمبر وار تجزیہ سے صاف روشن ہو جائے گا کہ وہ اس عقیدہ میں کس قدر غلطی پر ہیں۔

①

لدھیانوی صاحب تہمید میں فرماتے ہیں :-

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ اخلاقی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مجددِ اہل ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک تمام اُمت کا اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے“

(رسالہ مذکورہ صفحہ ۲)

حیرت ہے کہ لدھیانوی صاحب ایسے اہل الاصول مسئلہ کے لیے قرآن اور سنت اور حدیثِ رسولؐ کو چھوڑ کر علماء کے نام نہاد اجماع کا رخ کر رہے ہیں۔ جس سے اُن کے موقف کی کمزوری صاف عیاں ہے۔

جناب والا! اگر آپ کا موقف ایسا ہی مضبوط ہے تو قرآن و حدیث سے بات شروع کی ہوتی۔ آپ نے تو بجز ہی ہوئی تاریک صدیوں میں غلط فہمی سے رواج پانے والے ایک کج عقیدہ کو اجماع کا نام دے دیا۔ اس اجماع کا پول تو ہم کھولیں گے ہی اور روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیں گے کہ آپ نے اس عقیدہ پر اجماع کی تعلیٰ کر کے کیسی ناحق جسارت کی ہے لیکن آپ اتنا تو فرمائیے کہ کیا آپ قرآن کو علماء کے اجماع پر مقدم نہیں سمجھتے؟ کیا علمِ دین ہونے کا دعوئے رکھنے کے باوجود آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اجماع کی بحث تو

اٹھتی ہی اس وقت ہے جب قرآن اور حدیث کی نصوص صریحہ قطعی فیصلہ میں مدد نہ ہو سکیں، پھر کیوں قرآن کو اولیت نہیں دیتے۔ نیز کیا قرآن حکیم پر ہی سب اُمت کا اجماع نہیں ہے۔ لیکن ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کی مجبوری ہے۔ کیونکہ قرآن میں حیاتِ مسیح کی تائید میں ایک بھی آیت موجود نہیں جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدد آیات ہیں جن سے قطعی طور پر وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے متعدد فرمودات بھی ہماری راہنمائی کر رہے ہیں جن سے وفاتِ مسیح قطعی طور پر مستنبط ہوتی ہے لیکن ایک بھی حدیث ایسی دکھائی نہیں دیتی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔

جہاں تک آپ کے نام نہاد اجماع اُمت کا تعلق ہے اس کا یہ حال ہے کہ متعدد بزرگانِ ملت و ملل اُمتِ وفاتِ مسیح کے ہمیشہ قائل رہے اور قائل ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کے نزول کو استعارہ کا رنگ دیتے ہیں۔ مگر ہمیں حیرت اور تعجب اس پر ہے کہ آپ نے اس عظیم الشان اجماع سے کیوں آنکھیں بند کر لیں۔ جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے معا بعد ہوا۔ اسلام کے اس پہلے اجماع صحابہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جگہ دی ہے۔ اور تین اسناد کے ساتھ مختلف مقامات پر تکرار اس کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل اس عظیم الشان اجماع کی یہ ہے کہ وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت عسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے اس بات پر دلی یقین تھا کہ حضور کی وفات نہیں ہوئی اور آپ مزدور ہمارے اندر دوبارہ تشریف لائیں گے۔

اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی زیارت کی آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور عرض کیا! میرے ماں باپ آپ

پر قربان آپ زندہ ہونے کی حالت میں بھی پاک تھے اور آپ کو موت بھی اسی حال میں آئی۔  
 اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں  
 کرے گا پھر آپ نے حضرت مسٹر کو مخاطب کر کے فرمایا اے قسمیں کھانے والے بھڑھارے!!  
 اللہ پھر آپ نے ایک زبردست مدلل تقریر فرمائی جس پر تمام صحابہؓ جو کثیر تعداد میں موجود تھے  
 آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:-

”اے لوگو! تم میں سے جو شخص مستند صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ  
 جان لے کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا تھا وہ  
 یقین رکھے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔“  
 پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

(سورۃ البقرہ: ۱۲۵)

کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں اور آپ سے پہلے سب رسول فوت  
 ہو چکے ہیں۔ لہذا آپ کی وفات کوئی اچنبھ نہیں ہے۔ اس پر لوگ بے اختیار ہو کر رونے لگے  
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو نبی حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی یں تو  
 سخت و بہشت زدہ اور حیران ہو کر رہ گیا۔ میری ٹانگیں میرے وجود کا بوجھ اٹھانے سے قاصر  
 رہ گئیں۔ اور میں زمین پر گر پڑا۔ خدا کی قسم! ایسے لگتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس آیت کی تلاوت  
 سے قبل لوگوں کو اس کا مسلم ہی نہ تھا۔ اور آپ سے سن کر لوگوں نے یہ آیت پر معائنہ شروع  
 کر دی تھی کہ مدینہ کے ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب الجنائز  
 باب الدفن صلی المیت و کتاب الناقب باب مناقب ابی بکر)



لہذا لازمی صاحب !

اب فرمائیے کہ آپ اس عظیم الشان اجماع صاحبہ کا کس طرح انکار کریں گے۔ اگر کسی ایک صحابی کا بھی یہ عقیدہ ہوتا کہ حضرت مسیح نامریٰ زندہ آسمان پر موجود ہیں تو وہ حضرت ابو بکرؓ کے تمام نبیوں کی وفات کی قرآنی دلیل کو بڑی قوت سے رد کرتا اور اعلان کرتا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور اسی پر ہمارا اجماع ہے لہذا ابو بکرؓ کی یہ دلیل بالکل غلط اور بے حقیقت ہے کہ چونکہ سب گزشتہ انبیاء فوت ہو چکے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فوت ہونا تھا۔

صحیح بخاری، اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے مسلم الثبوت اس عظیم الشان اجماع کا منکر کون ہو گا؟ اس کا فیصلہ ہم لہذا لازمی صاحب پر نہیں، ہر صاحب بصیرت پر چھوڑتے ہیں۔ آپ کے نام نہاد اجماع اُمت کو اس صحیح بخاری کی ایک حدیث نے پارہ پارہ کر دیا اور ہمیشہ کے لیے اس کا سر توڑنے کے لیے اس پر یہ آیت نگران رہے گی کہ

”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ“

(آل عمران: ۱۴۵)

ترجمہ:- اور محمد صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔

پس جناب مولوی صاحب! ہم ابو بکرؓ کے رنگ استدلال میں ہی گولش کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا رکھا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ قرآن کی رو سے اُن کا یہ خدا فوت ہو چکا ہے۔

پھر بھی آپ کی مزید تسلی کے لیے چند بزرگان اُمت کے حوالے پیش کرتا ہوں جن میں سے ہر ایک آپ کے اجماع کی تعلی کی قلعی کھول رہا ہے۔

۱۔ حضرت امام حسنؑ مسیحؑ کے جسمانی رفع کے خلاف اور روحانی رفع وطبعی موت کے قائل تھے  
ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بارہ میں حضرت امام  
حسنؑ کا یہ قول نقل کیا ہے:-

”وَقَدْ قُبِضَ فِي الْيَسَلَةِ الَّتِي عُرِجَ فِيهَا بِرُوحِ عَيْسَى بْنِ مَرْيَمَ  
كَيْسَلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد۔ المجلد الثالث۔ فی البیہدین من المهاجرین والانصار)

دار بیروت للطباعة والنشر

ترجمہ:- ”اور حضرت علیؑ کی روح اس رات قبض کی گئی جس رات میں عیسیٰ بن مریمؑ کی روح مرفوع  
ہوئی تھی یعنی ۱۷ رمضان کی رات“

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ وفات مسیحؑ کے قائل ہیں! امام بخاری نے ان کا  
یہ مذہب اپنی صحیح میں یوں نقل کیا ہے:-

۲۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُعَيَّنْتُكَ

(بخاری کتاب التفسیر۔ سورة المائدة)

یعنی ابن عباسؓ آیت ”يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ فَاِنَّا فَاعِلُونَ“ الخ کے یہ معنی  
کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ (یعنی قائلین حیات مسیحؑ کی  
کی طرح توفی کے معنی آسمان پر اٹھانے کے نہیں کرتے)

۳۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ صحابی رسولؐ نے وفات رسولؐ کے بعد اپنے ایک خطبہ میں  
وفات عیسیٰؑ کا جو اعلان کیا:-

علامہ محمد بن عبد الوہابؒ اپنی کتاب ”مختصر مہمۃ الرسولؐ علی اللہ علیہ وسلم“ میں اس کا یوں  
ذکر فرماتے ہیں:-

رَأَيْتُهُ قَالَ، مَا شَهِدْتُكُمْ عَلَى مُوسَى؛ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ.  
 قَالَ: فَمَا شَهِدْتُكُمْ عَلَى عِيسَى؛ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ  
 وَأَنَا أَشْهَدُ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
 عَاشَ كَمَا عَاشُوا وَمَاتَ كَمَا مَاتُوا ۝

(عقربیرت ارسول صلی اللہ علیہ وسلم شیخ الاسلام امام عبد القفر ابن حجر محمد بن عبد الرزاق ۱۸۹)

دار العربیۃ للطباعة والنشر والتوزیع بیروت لبنان ص ۸۹ (بیروت لبنان)

۳۔ ترجمہ:- جاردون معنی نے کہا اے لوگو! ہم موسیٰ کے بارے میں تم کی گواہی دیتے ہو۔  
 انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے۔ حضرت جاردون نے پھر پوچھا  
 کہ عیسیٰ کے بارے میں تمہاری کیا گواہی ہے انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے کہ وہ اللہ  
 کے رسول تھے اس پر حضرت جاردون معنی نے فرمایا اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے  
 سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول تھے۔ وہ اسی طرح  
 زندہ رہے جس طرح پہلے رسول زمرہ رہے اور اسی طرح وفات پا گئے جس طرح پہلے رسولوں  
 نے وفات پائی۔

۴۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وفات مسیح کے قائل ہیں۔ علامہ شیخ محمد طاہر ابن عینہ  
 مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں:-

وَدَلَّ كَثَرَةُ اَنْ عِيسَى نَحْنُ نَمُوتُ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ،

(مجمع بحار الانوار ج ۳۷۱ زیر مدعہ حکم مطبع لئسی نول کشور)

یعنی اکثر لوگوں کا تو یہی مذہب ہے کہ عیسیٰ نہیں مرے لیکن امام مالک کہتے  
 ہیں کہ وہ فوت ہو گئے۔

۵۔ مشہور شیعہ عالم و بزرگ علامہ قسطنطینی ۱۸۴۷ء وفات مسیح کے قائل ہیں آپ اپنی کتاب

”اكمال الدين واتمام النعمة في اثبات الرجعة“ میں فرماتے ہیں:-

”وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى قَتْلِهِ وَصَلِيهِ لِأَنَّهُمْ تَوَكَّدُوا عَلَى ذَلِكَ  
هَٰذَا تَكْذِيبًا يَقُولُهُ تَعَالَى وَلَكِنْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ تَوَفَّاهُ“

(اكمال الدين واتمام النعمة في اثبات الرجعة - فتوح الاقلام والحدیث الاکبر للابن حجر مصلح)

محمد بن علی بن الحسین بن ابویہ القمی المتوفی ۷۴۰ھ ص ۲۱۱ - المطبعة الميمنية - انجمن

ترجمہ:- اور وہ (یعنی یہودی) مسیح کے قتل اور ان کو صلیب دینے پر قدرت نہ پاسکے کیونکہ  
اگر وہ اس پر قادر ہو جاتے تو اللہ کی بات جھوٹی نکلتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام  
کو طبعی طور پر وفات دی اور اس کے بعد اُن کو روحانی رفعت عطا فرمائی۔

۶۔ مشہور شیعہ عالم علامہ جابئی وفات مسیح کے قائل ہیں۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي... الخ فرماتے ہیں:-  
(فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) اَي قَبَضْتَنِي اِلَيْكَ وَاصْبَيْتَنِي مِنَ الْجَبَابِي

دجمع البیان فی تفسیر القرآن لمرآة الشیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی - الجزء الثالث

ص ۳۲۰ احیاء التراث العربی - بیروت لبنان

ترجمہ:- جب تو نے مجھے وفات دے دی اور طبعی موت دی۔ یہ معنی علامہ جابئی نے کئے  
ہیں۔

۷۔ علامہ ابن تیمیہ اپنی تصنیف مجموعۃ الرسائل الکبریٰ میں وفات مسیح کا ذکر یوں فرماتے ہیں،

”وَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ هَٰذَا الَّذِي فِي التَّوَفَّاءِ وَالْإِنْبِشِلِ مِنَ الْخَبَرِ عَنْ مُوسَى  
وَعِيسَى بَعْدَ تَوَفِّيهِمَا لَيْسَ هُوَ مَعَا أَنزَلَهُ اللَّهُ وَمَعَا تَلَقَّوْهُ مِنْ  
مُوسَى وَعِيسَى“

(الجزء الاول من مجموعۃ الرسائل الکبریٰ) ص ۳۱۵ - شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس محمد بن عبدالمعین ابن عبد السلام

بن تیمیۃ الحوانی الذشتی السنی ص ۲۳۸ - ص ۲۳۹ - الطبعة الاولیٰ سنة ۱۳۲۵ بمطبعة الجامعة الشریفة  
بمصر علی نفقة شركة طبع الكتب العلمية بمصر

ترجمہ :- اہدیہ بات ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں عہد  
کی وفات کے بعد کے جو حالات تحریر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام نہیں اور نہ ہی ایسا  
کلام ہے کہ جس کو ان اہل کتاب نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے اخذ کیا ہو (کیونکہ  
اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہے)

۸ - علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں مسیح علیہ السلام کے جہانی رفق کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے  
فرماتے ہیں :-

”وَأَمَّا مَا يَذْكُرُونَ اِثْنَيْ اُسْتُ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ وَلَهُ ثَلَاثُ وَثَلَاثُونَ  
سَنَةً، فَهَذَا لَا يُعْرَفُ لَهُ اَشْرَ مُتَّصِلٌ بِحُبِّ الْمُصْنِفِ اِلَيْهِ“

(نادر المعاد فی مدی خیر العباد لابن القیم الجوزیہ الام الحدیث المنصر الغنیہ شمس الدین ابی عبد اللہ  
محمد بن ابی بکر الدیمی الذشتی ر ۶۹۱ - ۷۵۱ھ) الجزء الاول ص ۱۳۷ - بسملة الرسالة - بیروت شارع ص ۱۰۱

ترجمہ :- اہدیہ جو مسیح کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ آسمان پر اٹھالیے گئے جبکہ ان کی عمر ۳۳ برس  
تھی، اس کی کوئی ایسی سند متصل موجود نہیں جس کی بناء پر اس قول کو قبول کیا جائے۔

۹ - آٹھویں صدی کے علامہ ابن حبان نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں اہل بارہویں صدی کے علامہ  
شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدر میں بعض علماء سے توتی کے معنی موت نقل کر کے ان کے وفات  
مسیح کے قائل ہونے کا ذکر کیا ہے۔

”رَقِيتَ هَذَا اَيْدِي عَلَى اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ تَوَقَّأَ قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَهُ“

I بحر المحیط ج ۱ ص ۱۳۸ مکتبہ مطبع النصارى الحديث - ریاض ۱۳۵۰ھ

II تفسیر فتح القدر علامہ شوکانی الجزء الثاني ص ۱۳۷ مطبع مصطفیٰ البابا الحلبي مصر

یعنی یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو رفع سے پہلے وفات عطا فرمائی۔

۱۰۔ علامہ ابوالعزم اصغری وفات مسیح کے قائل ہیں۔

علامہ رازی اپنی تفسیر کبیر میں زیر آیت وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ ابْنِ

(آل عمران آیت ۸۴)

میں فرماتے ہیں:-

”رَأَى الْقَوْلَ مَا ذَكَرُوا أَبُو مُوسَى الْأَسْفَهَانِي فَقَالَ: كَاهِرُ الْآيَةِ  
يُبدِلُ عَلَى أَنَّ ابْنَيْنِ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَهُ مِنْهُمَا يَجِبُ عَلَيْهِمَا  
الْإِيمَانُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَبْعَثِهِ وَهَلْ الْآبِيَاءُ  
عَلَيْهِمُ النَّصْرَةُ وَالسَّلَامُ يَكُونُونَ عِنْدَ مَبْعَثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زُمْرَةِ الْأَمْوَاتِ“

(التفسير الكبير للامام الفخر الرازي الجزء الثامن ملك، الطبعة الثانية)

الناشر دار الكتب العلمية طهران)

پہلی بات وہ ہے جس کا ذکر ابوالعزم اصغری نے کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا  
ظاہری مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا  
ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لانا واجب ہے اور  
(امرد واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت زمرۃ الاموات میں  
ہوں گے)۔

۱۱۔ علامہ محمد الدین ابن عربی مسیح کے جہانی رفع کی تردید اور روحانی رفع کا ذکر کرتے

ہوئے بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ وَإِنِّي لَفِي تَفْسِيرِهِ فرماتے ہیں:-

”رَفَعُ عَيْنِي عَلَيْهِ السَّلَامُ لِتَسَالُ رُوحُهُ عِنْدَ الْمَعَارِقَةِ مَتَى

التَّعَالِمِ السَّخْفِيِّ بِالتَّعَالِمِ الْعَلَوِيِّ“

(تفسیر انقراآن الکریم للشیخ الاکبر العارف بالله علامۃ فی الدین

بن عربی المتوفی سنۃ ۷۴۸ ھجرتہ تحقیق و تصدیق الدكتور

مصطفیٰ غالب المجلد الاول ص ۲۲۲ درالاندلس للطباعة والنشر و

التوزیع - بیروت)

یعنی حضرت مسیحؑ کا رفع دراصل ان کی روح کے عالم سفلی سے جدا ہو کر عالم علوی  
میں قرار پانے کا نام ہے۔

یہاں یہ امر یاد رہے کہ

علامہ ابن عربی کا تعلق ان بزرگ صوفیاء سے ہے جنہوں نے مسیح کی آمد ثانی کی ٹیگنی  
سے ان کا ایک دوسرے جسم کے ساتھ روحانی نزول کر لیا ہے۔

چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”وَلَمَّا هَانَ مَرْجِعُهُ إِلَى مَقَرِّهِ الْأَوَّلِيِّ وَلَمْ يَعْلَمْ إِلَى أَنْكَمَالِ الْحَقِيقِ

وَقَبَّ مَزْدَلُهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِمَعْلَقِهِ بِبَدَنِ الْآخِرِ“

(تفسیر ابن عربی حوالہ مذکور)

یعنی جب مسیح کا مرجع اپنی اصلی مقرر کی طرف ہے اور ابھی وہ اپنے حقیقی کمال کو  
نہیں پہنچا لہذا آپ کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے جسم کے ساتھ تعلق کی صورت میں  
واجب ہے۔

یہی شہادت علامہ سراج الدین ابن الوردی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں دی ہے کہ  
مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے یہی معنی سمجھتا رہا ہے کہ وہ ایک اور وجود

میں متعلیٰ ہو کر تشریف لائیں گے نہ کہ اپنے وجود کے ساتھ۔ اب کہاں گیا آپ کا اجماع؟  
گزشتہ تیرہ صدیوں میں اس مزعوم اجماع کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔  
علامہ ابن الودعی کی شہادت ملاحظہ ہو۔

وَقَالَتْ فَرَسَةٌ مُزَوَّلَةٌ عَنِ سَفَرٍ رَجُلٌ يَشْبَهُ عِيسَى فِي الْفِعْلِ وَ  
الشَّرَفِ كَمَا يَقُولُ لِرَجُلٍ الْخَيْرُ مَعَكَ وَالْخَيْرُ شَيْطَانُ تَشْبَهُمَا  
بِهِمَا فَلَا يُرَادُ الْأَعْيَانُ

ذخیرۃ العجائب و فریۃ الغرائب ص ۲۲۳ سیف مرآۃ الیقین الجزء ۱۰ ص ۲۲۹

مطبعة المجلد العظیم مصر۔ الطبعة الثانیہ

اد ایک گروہ کہتا ہے کہ زومل عیسیٰ سے مراد ایسے شخص کی آمد ہے جو فضیلت اور شرف  
میں عیسیٰ سے مشابہ ہو جس طرح اچھے آدمی کو فرشتہ ادب سے کو شیطان کہہ دیتے ہیں  
اور اس سے مراد فرشتہ و شیطان نہیں بلکہ ان سے مشابہت ہوتی ہے۔

۱۲۔ امام ابن حزم وفات عیسیٰ کے قائل ہیں اپنی کتاب المحلی میں فرماتے ہیں:-  
”فَإِنَّ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُقْتَلْ وَلَمْ يُصَلَّبْ وَلَكِنْ تَوَقَّاهُ اللَّهُ  
حَذْوَجَلٍّ ثُمَّ وَكَّعَهُ إِلَيْهِ“

(المحلی طرغافہ الامی عمر مسل بن حزم الاندلسی الطائری الجزء الاول ص ۲۷ مطبعة الامام ۱۳۰۶ شاری)

قرآن النبیہ باعانة بصر

یعنی عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے نہ صلیب پر مار گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات  
دی پھر ان کو دفن نہ کیا۔

۱۳۔ امام اکبر علامہ محمد شمس الدین عسکری نے الفتاویٰ میں نہایت شد و مد سے وفات  
عیسیٰ کا فتویٰ دیا ہے، فرماتے ہیں:-



وَالْمَعْنَى أَنَّ اللَّهَ تَوَفَّى عِيسَى وَرَفَعَهُ إِلَيْهِ وَطَهَّرَهُ مِنَ الذَّنْبِ كَغُرُورِهِ....  
 .... وَقَدْ فَسَّرَ الْأَنْبِيَاءُ قَوْلَهُ تَعَالَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ بِوُجُوهِ  
 مِنْهَا - وَهُوَ أَطَهَّرُهَا - إِنِّي مُتَوَفِّيكَ أَجَلَكَ وَمُهِمَّتَكَ حَتَّى  
 أَتُفِيكَ لَا أَسْلُطُ عَلَيْكَ مَنْ يَقْتُلُكَ ، وَهُوَ كَنَائِيَةٌ عَنْ عَصَمَتِهِ  
 مِنَ الْأَعْيَاءِ وَمَا هُمْ بِصَدْرٍ مِنْ أَمْرِكَ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 لِأَنَّهُ يُنْزَمُ مِنْ سَيِّغَاتِ اللَّهِ أَجَلُهُ وَمَوْتُهُ حَتَّى أَتُفِيكَ ذَلِكَ -  
 وَظَاهِرٌ أَنَّ الرُّفْعَ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَ التَّوَفِّيَةِ - هُوَ رَفْعُ الْمَكَانَةِ  
 لَا دَفْعَ الْجَسَدِ -

”فَمَنْ أَتَى تَوَفَّاهُ اللَّهُ السَّمَاءَ مِنْ كَلِمَةِ إِلَيْهِ؟ اللَّهُمَّ  
 إِنَّ هَذَا الْكَلِمَةَ بِالتَّعْيِيرِ الْقَرَّائِي الْأَوَّامِ حُضُورًا لِقِصَصِ وَ  
 رِوَايَاتٍ لَمْ يَقُمْ عَلَى الثَّلَاثِينَ بِهَا - فَضْلًا عَنِ الْيَقِينِ - بَرَّهَانٌ  
 وَلَا يَشُبُّهُ بَرَّهَانٌ“

(افتادہ) دراسة مشکلات المسلم المعاصر في حياته اليومية والعامة

الامام الاكبر محمود شلتوت مت - دار الشروق

ترجمہ :- علامہ محمود شلتوت آیت یا عیسیٰ ابنی متوفیک..... الخ کی دلیل دیتے ہوئے  
 فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کے ساتھ یہ سب وعدے  
 پورے کئے ان کو وفات دی اور عزت دی اور کافروں سے پاک کیا - پھر لکھتے ہیں  
 علامہ الہسی نے اپنی تفسیر میں متوفیک کے کئی معنی کئے ہیں ان میں سے سب سے  
 مضبوط معنی یہ ہیں کہ میں تیری عمر پوری کر کے تجھے طبعی موت سے وفات دوں گا اور  
 میں تجھ پر ایسے لوگوں کو مسلط نہیں کروں گا جو تجھے قتل کر دیں اور دراصل یہ وعدہ





ہوں اور طبعی موت کے بعد بلند مقام میں رکھنے والا ہوں جس طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے بارہ میں آیت میں مذکور ہے کہ جہنم کو بلند مقام پر رفعت دی۔

۱۷۔ علامہ ڈاکٹر محمد محمود مجازی (پروفیسر جامعہ انہر) تفسیر الواضح میں اپنی متوفیت کی تفسیر میں وفات مسیح اس طرح ثابت فرماتے ہیں:-

”مَكَرَ اللَّهُ بِهِمْ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَمَا مَلَائِكَةُ  
يَعْتَبُدُونَ عَلَيْكَ مُخَيَّرِينَ بَيْنَ أَنْ يَرْفَعُوا بَعْضُكُمْ مِنْكُمْ  
وَقَدْ بَيَّرْنَاكُمْ أَزْوَاجًا فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ، وَاتَّقُوا اللَّهَ  
وَالرَّحْمَنَ الَّذِي هُوَ أَعْلَى السُّعُودِ، وَأَنْتُمْ كَانْتُمْ  
لَا مَعْنَانَ كَمَا قَالَ تَعَالَى فِي شَأْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (وَدَفَعْنَا  
وَعَنْهُ مَعْنَانًا عَلَيْهِ) وَقَوْلِهِ فِي الْمَوْعِظَةِ رَفَعْنَا رُوحَكَ فِي  
مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مِلَّةٍ مُقْتَدِرٍ، فَلْيَسَّ الْمَعْنَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ عِيسَى رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ  
وَأَنَّهُ سَيَبْعَثُ إِلَى الْآخِرَةِ لِيَسْتَوِيَنَّ أَجَلُهُ ثُمَّ يَمُوتُ“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اُن کے خلاف تدبیر کی جب اس نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تیری کامل عمر پوری کروں گا۔ اور کوئی زیادتی کرنے والا تجھ پر اپنا دست دراز نہیں کر سکے گا۔ پس یہ مسیح علیہ السلام کے لیے ان یہود کے گروں اور تدبیروں سے نجات کی ایک بشارت تھی اور ذاکر نے اس مقام میں رفعت مراد ہے اور اس رفع سے مراد مرتبہ کا رفع ہے کسی جگہ پر جہانی رفع ہرگز مراد نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ادریس علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَدَفَعْنَا عَنْهُ مَعْنَانًا عَلَيْهِ۔ اور جیسا کہ مؤمنوں کے بارے میں فرمایا ابْنِ مَرْيَمَ عِنْدَ مِلَّةٍ مُقْتَدِرٍ۔ پس ذاکر کے معنی (واللہ اعلم) یہ نہیں ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمان کی طرف ہوا اور یہ کہ وہ دنیا کے آخر میں پھر اتریں اور اپنی دُعا پوری کر کے ناپائیدار

لے تفسیر الواضح ڈاکٹر محمد محمود مجازی جامعہ انہر والہ اہل مکہ مطبوعہ الاستقلال الکریم بالقادریہ

۱۸۔ استاذ عبدالوہاب البخاری وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ اپنی تصنیف قصص الانبیاء میں حضرت مسیح نامری علیہ السلام کے انجام کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

وَالَّذِي اخْتَارَهُ أَنْ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ اتَّجَاهُ اللَّهُ مِنْ يَهُودٍ  
فَلَمْ يَقْبَعُوا عَلَيْهِ وَلَمْ يَقْتُلْ وَلَمْ يَصَلْبْ وَأَنَّ نَوْجَهُ شَاحِبِ  
دُهْوَانَ الْمُرَادِ مِنَ الْآيَةِ أَرْنَى مُسْتَوْتِ أَجَلِكَ وَهُمِيتُكَ  
خُشَعُ أَفْئِكَ لَا أُسَلِّطُ عَلَيْكَ مَنْ يَشَلُّكَ وَأَنَّ الْآيَةَ كُنَايَةً  
مَنْ عِصْمَتِهِ مِنَ الْأَعْدَاءِ هُوَ الْوَجْهَةُ الْوَجِيهَةُ الَّتِي يَحِبُّ أَنْ  
يُصَارَ إِلَيْهِ۔

(قصص الانبیاء ص ۳۳۳ تالیف عبدالوہاب بخاری الطبعة الثالثة دارالانبياء التراث العربی)

(شائع خمیا۔ بیروت)

حضرت مسیح نامری علیہ السلام کے بارہ میں مختلف آراء کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ وہ  
موقف جو میں اختیار کرتا ہوں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہود سے نبی  
دی اور وہ آپ پر قدرت نہ پاسکے اور آپ کو قتل نہ کر سکے نہ ہی صلیب دے سکے  
نیز یہ کہ مذکورہ معانی میں سے کوئی کے یہ دوسرے معنی ہی دراصل مراد ہیں کہ میں تیسری  
مدت عمر کو پورا کرنے والا ہوں اور تجھے طبعی موت دینے والا ہوں اور تجھ پر ہرگز ایسے  
لوگوں کو مسلط نہیں کروں گا جو تجھے قتل کر دیں۔ اور یہ کہ آیت مُتَوَفِّئُكَ مسیح کو ان کے  
دشمنوں سے بچانے کے لیے کنا یہ ہے۔ یہی دراصل وہ مضبوط معنی ہیں جو اختیار کرنے چاہئیں۔  
۱۹۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب (چاچڑاں شریف دالے) وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔  
اشاراتِ فریدی میں لکھا ہے:-

”سخن در رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام افتاد۔ مکی از حضار عمر من کبر کہ قبلہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام باین جسد غصری مرفوع شدہ اندیا بعد موت عرفی روح پاک اوشاں مرفوع گردیدہ  
است۔ حضور فرمودند کہ بچوں دیگر انبیاء و اولیاء مرفوع گشتہ اند

(اشارات فریدی حصہ چہارم ص ۱۳۱ اور مطبع رفیق عام لاہور ص ۳۴۶)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بارہ میں بات چل پڑی۔ حاضرین مجلس میں سے  
ایک نے عرض کیا کہ قبلہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس ظاہری جسم کے ساتھ رفع ہوا یا  
طبعی موت کے بعد آپ کی پاک روح کو رفع و منزلت عطا ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب  
نے فرمایا کہ دیگر انبیاء و اولیاء کی طرح ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی رفع ہوا ہے۔  
یعنی روحانی رفع۔

۲۰۔ علامہ عبید اللہ سندھی الامام الرحمان فی تفسیر القرآن (اردو ترجمہ) میں فرماتے ہیں :-  
”مُعِیْنَتُكَ تَحْجِبُ مَا نَرَى وَاللَّاهُوتُ - یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی  
کمانی غیر صابی من گھڑت کہانی ہے“

(الامام الرحمان فی تفسیر القرآن سورۃ الفاتحہ تا سورۃ المائدۃ از مجدد اعظم امام انقلاب  
علامہ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۴۶)۔ ناشر علامہ مولانا محمد معاویہ - ادارہ بیت المکتبہ للامام ولی  
اللہ الدہلوی - کبیر والہ - ضلع طمان جنگ روڈ)

۲۱۔ نواب اعظم بدجنگ وفات مسیح کے قائل ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں :-

”حضرت عیسیٰ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآن مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اذْهَبْ فَاَنْزِلْ فِي الْبَلَدِ الْمَذْكُورِ (آل عمران ۴۸)

جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے۔ بلکہ اس کو بالکل الٹ دیا ہے وہ  
یوں پڑھتے ہیں رَافِعُكَ اَتَى وَ مَتَوَقِّفُكَ گرامر قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین  
نے کوئی نیا قرآن بنایا ہو تو اس میں ہوگی پھر دوسری جگہ ابھی صاف ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (مائدہ : ۱۱۴)

کہ حضرت عیسیٰ جناب باری میں عرض کریں گے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔  
اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔ (زمر : ۴۲)

پس ان کی وفات کی خبر بہت صاف ہے

و تہذیب الاخلاق جلد سوم معنائیں ذاب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خان نناشل سیکرٹری  
حیدرآباد دکن حک فضل دین، ملک چمن دین، ملک تاج الدین کے زنی، تبران کتب مطبوعہ ۱۸۹۶ء

۲۲۔ مسید احمد خاں وفات مسیح کے قائل ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

”حضرت مسیح کے واقعات میں جیسے کہ آپ کی ولادت کا مسئلہ بحث طلب ہے  
ویسا ہی آپ کی وفات کا مسئلہ بھی غور کے لائق ہے..... ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا  
چاہیے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے متعلق چار جگہ  
ذکر آیا ہے۔..... پہلی تین آیتوں (آل عمران ۴۹، مائدہ ۱۱۸، مریم ۳۳ تا ۳۵

ناقل) سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر جو کہ علماء اسلام  
نے بہ تعلیل بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا  
حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی فہم  
محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی بجائے کوشش کی ہے..... اور چوتھی آیت میں لفظ  
رفع کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسیٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے۔“

(تصانیف احمدیہ حصہ اول جلد چہارم تفسیر القرآن جلد دوم صفحہ ۴۸ تا ۴۹)

مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی

۲۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں :-

”وَفَلَتِ مَسِيحٌ كَاذِرٌ خُودِ قُرْآنِ مِیْنِ هِیْ“

(المفوقات آزاد - مرتب: محمد اجمل خان ص ۱۳)

۲۴ - علامہ عنایت اللہ مشرقی (بانی خاکسار تحریک) اپنی تفسیر تذکرہ ”ذریعہ آیت بیل رُفَعَهُ“  
اللہُ اِلَیْہِہِ مِیْنِ قُرْآنِے ہِیْنِ:-

”بلکہ اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ کی موت بھی  
اسی سنت اللہ کے مطابق واقع ہوئی تھی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے  
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (۲۵: ۳۵)

(تذکرہ مجلہ اول ص ۱۷۱) مفتقر الی اللہ الرحمن محمد عنایت اللہ عن مشرقی السندی - مبلع وکیل  
امر تشریں باہتمام شیخ محمد عبدالعزیز ناظم بلع ہو کر ادارۃ الاشاعۃ للتذکرۃ امرتسر پنابک شائع ہوئی  
۲۵ - غلام احمد پرویز ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام شعلہ مستورہ میں فرماتے ہیں:-

”باقی رعایائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے تھے، تو قرآن سے  
اس کی بھی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ  
نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدت عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی ہے  
(سلسلہ معارف القرآن شعلہ مستورہ ص ۱۲۷) - شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور

۲۶ - علامہ اقبال نے ۱۹۳۶ء میں جماعت احمدیہ کے بارہ میں اپنے ایک مضمون میں وفات  
مسیح کا کئی لفظوں میں اقرار کرتے ہوئے لکھا:-

”جہاں تک میں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں  
کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند بام مرگ لوش  
فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار  
نے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔“



(مرزا نیت کے متعلق پڈٹ جواہر لال نہرو کے جواب میں شاعر اسلام منکر مشرق علامہ ڈاکٹر  
مر محمد اقبال مدظلہ العالی کا بصیرت افروز بیان صفحہ ۶۲ ناشر سیکرٹری شعبہ اشاعت و تبلیغ مسجد مبارک  
برائڈرس روڈ لاہور مار فروری ۱۹۵۷ء نیز احمدیت اہل اسلام و ختم نبوت اولاء طوارع کراچی  
لکھناؤنی صاحب !!! اب فرمائیے کیا ان علماء نے آپ کے اجماع حیات مسیح کی  
دجیاں بکھر کر نہیں رکھ دیں۔ رہا نزول مسیح پر اجماع تو اس بارہ میں آنجناب نے شرح  
فقہ اکبر کی عبارتیں نقل کرنے کا خواہ مخواہ تکلف کیا ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ نزول مسیح  
ایک پیشگوئی ہے جس کا تعلق اُمیدِ غیبیہ سے ہے۔ اجماع تو زمانہ ماضی یا حال کے واقعات  
پر ہوتا ہے۔ غیب کا تعلق تو مستقبل سے ہے۔ جس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اس پر اجماع  
چہ معنی دلرو؟ پھر سوچیے کہ جس غیب کی حقیقت ہی معلوم نہیں اس پر اجماع کا مطلب کیا  
ہوا؟ جہاں تک نزول مسیح کی پیشگوئی کا تعلق ہے۔ ایک موعود مسیح مہدی کی آمد اور بعثت  
پر نہ صرف ہمارا ایمان ہے بلکہ ہم تو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر گواہ بھی بن چکے ہیں۔  
جبکہ مسیحؑ کے نزول کے انتظار کرنے والے مسلمان ۱۴۰۰ سالہ طویل انتظار سے تنگ آکر اب  
بالآخر اس عقیدہ سے ہی منکر ہو گئے جاتے ہیں۔

(۲)

آپؑ نے نزول مسیحؑ کے حق میں مہ پر علامہ سیوطی کے رسالہ "الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ  
السلام" کا حسب ذیل حوالہ دینے کی بھی زحمت فرمائی ہے

"ثُمَّ يُقَالُ لِهَذَا الرَّاعِدِ حَلِ اَنْتَ اخَذْتَ بظَاهِرِ الْحَدِيثِ

مِنْ غَيْرِ حَمَلٍ عَلَى الْمَعْنَى الْمَذْكُورِ، فَيَلْزِمُكَ اَحَدُ

اِمْرَيْنِ اِمَّا نَفَعِي نَزُولَ عِيسَى اَوْ نَفَعِي النَّبُوَّةَ عَنْهُ وَكُلَاهُمَا

کفر

بحوالہ الحادی لغت ادبی جز ۲ ص ۱۶۶

پھر اس نڈی سے کہا جائے گا کہ کیا تم اس حدیث کے ظاہر کو لیتے ہو اور جو مطلب ہم نے اس کا کیا ہے اس پر عمل نہیں کرتے ہو؟ تو اس صورت میں تجھے دو میں سے ایک صورت لازم آئے گی یا یہ کہ نزول معنی علیہ السلام کی نفی کر دیا بوقت نزول ان سے نبوت کی نفی کر دیا وہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

۴۔ تو آپ اپنے دام میں مینا داگیا

شاید آنجناب نے "الحادی" میں یا تو اس حوالے کا سیاق و سباق ملاحظہ نہیں فرمایا یا پھر عمداً کتر بیونت سے کام لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نزول مسیح کا انکار کفر ہے۔ نزول مسیح سے کس جملے مانس کو انکار ہے۔ ہمیں تو نزول مسیح کے بارے میں آپ کی سراسر مخالفت قرآن و حدیث تشریح اور تاویل بعیدہ سے انکار ہے کہ ۱۹۰۰ سالہ مسیح جسم سمیت آسمان سے اترے گا۔ نزول کے معنی کی وضاحت بعد ہم اپنی تحریف کا ہل کھیں گے۔ تعجب ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْنَا ذِكْرًا ۝ رُسُلًا میں نزول کا لفظ آئے تو اس سے آپ حضرت آمنہ کے بطن سے پیدا ہونا مراد لیتے ہیں۔ اور مسیح کے بارے میں اسی لفظ نزول کو جسم سمیت آسمان سے اترنے پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

(الطلاق: ۱۱، ۱۲)

قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ بَيِّنَاتٍ

(الاحزاب: ۲۴)

وَأَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِيهِ بَيِّنَاتٌ لِّمَا نَسَخَ مِنَ الْأَمْرِ

(الاحزاب: ۲۴)

وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنْ آلَاءِ غَيْرِ مُبِينَةٍ أَنْزَلْنَا

کہ ہم نے تم پر لباس اتا رہا ہے۔ تم پر لوہا اتا رہا ہے اور تم پر آٹھ جوڑوں کی صورت میں چوپائے بھی نازل کیے ہیں۔

لُہیائی صائب بتائیں کہ کیا یہ سارے اسی طرح آسمان سے نازل ہوئے۔ نزل کے لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تو کڑکریٹھ گئے ہیں۔ کہ وہ آسمان سے اتریں گے بتائیں کہ جانور کہاں لٹک کر اترے تھے۔

اسی قسم کے مولوی ہیں جنہوں نے ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ اسی قسم کی عقل کے علماء ہیں جو قرآن کریم کی آیات کو ظاہر پر محمول کر کے ساری غیر مسلم دنیا کو اقرآن کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں لیکن پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

تہم صحابہ کو علم تھا کہ نزل کے کیا معنی ہیں۔ کیا انہیں قرآن کریم میں نزل کا لفظ نظر نہیں آتا تھا کہ ان مذکورہ بالا چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ ان جن معنوں میں قرآن کریم میں ان چیزوں کے لیے لفظ نزل آیا ہے انہیں معنوں میں وہ حضرت عیسیٰ کے نزل کو سمجھتے تھے۔ اور مولوی صاحب کہیں یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ صحابہؓ نے کوسہ، باباں اور جانوروں کا آسمان سے لٹک کر اترنا بتایا ہو۔

ہمارے نزدیک لفظ نزل کے سادہ معنی جس کے موید منقولی و معقولی دلائل ہیں، یہ ہیں کہ اُمّتِ محمدیہ میں آنے والا مسیح مطابق حدیث بخاری اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ وَاَمَامُكُمْ اور حدیث مسلم اَمُّكُمْ مِنْكُمْ وہ امت میں ہی پیدا ہوگا لیکن آپ یہ تو بتائیے کہ آپ اس حدیث کو کیوں نظر انداز کر گئے جس پر علامہ سیوطی کی بحث کا تمام دار و مدار ہے۔ اُن کی ساری بحث تو۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ پر ہے اور وہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کے یہ ظاہری معنی لینا کہ رسول اللہ کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں آئے گا درست نہیں کیونکہ اس سے دو میں سے ایک بات بہر حال لازم آتی ہے۔

اڈلے: نزولِ عیسیٰ سے انکار (کیونکہ وہ نبی ہیں) یا پھر ان کی نبوت در رسالت سے انکار اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ پھر اس سے بچنے کا واحد راستہ خود علامہ سیوطی یہ بتاتے ہیں کہ -  
لَا نَبِيَّ بَعْدِي - کے ظاہری معنی مُراد نہ لیے جائیں بلکہ یہ مطلب لیا جائے کہ کثرتِ نبوت والا نبی نہیں آئے گا اور غیر تشریفی اور امتی نبی رسالتِ محمدیہ کی اتباع میں آسکتا ہے۔ اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔ جوادِ اوقریع اسجناب نے نقل نہیں کیے۔

”يَا مَعْشَرَ الْبَشَرِ لَا دِلَالَاتٍ فِي هَذَا الْخَبَرِ عَلَى مَا ذُكِرَتْ بِوَجْهِهِ مِنْ  
اَنْوَاعٍ لِأَنَّ اَمْرًا لَا يَخْدُثُ بَعْدَهُ بَعَثُ نَبِيٍّ يَنْبَغُ مَشْرُوعُهُ  
كَمَا قَدْ بَدَلْتَ اَعْلَاءَ“

(الحادی للفتاویٰ ہز ثانی ص ۱۶۶۔ طابع و ناشر مکتبہ نوریہ بغدادی۔ جامع مسجد فیصل آباد)  
مولوی صاحب! یہ تو وہی بات ہوئی کہ یہ حوالہ پیش کر کے آپ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

(۳)

مولوی صاحب! ایک اور باقی جرح آپ نے حضرت امام مالکؒ کے وفاتِ مسیح کے مسلک پر فرمائی ہے جس کا لپٹ باب یہ ہے کہ یہ نزولِ مسیح کے بھی قائل ہیں۔ پھر آپ نے امام مالکؒ جیسے بزرگ کے مُنہ میں نغمہ دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ موتِ عیسیٰ سے ان کی مُراد مسیح کا آسمان پر جانا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی روشنی اسجناب کے دماغ میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ ایسی جسارت کہ امام مالکؒ موتہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آسمان پر جانا مُراد ہے۔ اچھا کیا خدا نے مامور فرمایا ہے کہ ہر لفظ کا مطلب جو چاہیں بنالیں۔ اگر موت سے مُراد آسمان پر جانا

ہے تو اپنے لیے ایسی موت کیوں نہیں مانگتے تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ آسمان سے کوئی آئے  
یا نہ آئے کم از کم چڑھ کر ہی دکھائے۔

جناب مولوی صاحب! کان کھول کر سنیے! موت سے مراد موت ہی ہوتی ہے۔ موت  
سے ڈریں۔

آپ نے یہ بے وزن بات بھی خوب کہی کہ بالفرض امام مالکؒ وفات کے قائل بھی  
ہیں تو حیات بعد الموت کے قائل ہیں۔

یہ تو درست ہے کہ امام مالکؒ ہی نہیں تمام مسلمان حیات بعد الموت کے قائل ہیں  
لیکن یہ ہرگز مراد نہیں کہ اسی دنیا میں مردوں کے جی اٹھنے کے قائل ہوں۔ حیات بعد الموت  
سے مراد حیات الآخرت ہے۔

قرآن کریم نے تو ان لوگوں کی ردحوں کا جو مرنے کے بعد جسم سے جدا ہو گئیں واپس آنا  
قطعی طور پر محال قرار دیا ہے اور تقدیر الہی کے بھی خلاف قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا،

وَحَرَّمَ عَلَىٰ قَدَرِيَّةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ (الانبیاء ۶۶)

ترجمہ:- اور ہر ایک بستی جتنے ہم نے ہلاک کیا ہے اس کے لیے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ  
اس کے بسے واسے لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔

آپ کو اس نفی صریح کا علم نہ ہو تو کوئی تعجب نہیں لیکن حضرت امام مالکؒ پر یہ الزام  
لگانے کا آپ کو کیا حق ہے کہ وہ بھی آپ ہی کی طرح بد عقیدہ تھے۔

ہم آپ کو میلخ کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کے کسی حوالہ سے ثابت کریں کہ آپ موت  
سے مراد مرنے کی بجائے آسمان پر جانا مراد لیا کرتے تھے۔

پھر اس پر استدلال یہ کہ ”کسیانی بنی کعبہ نوچے“ کے مصداق آپ نے حضرت امام  
مالکؒ کا وفات میں کعبہ کا عقیدہ اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں نقل کرنے والے امام شیخ محمد طاہر

گجراتی صاحب کے مسلک کو تاحی اس بحث میں الجھا کر امام مالک کے عقیدہ سے توجہ ہٹانے کی بے سود کوشش کی ہے۔

چونکہ امام مالک کا مسیح علیہ السلام کی موت کے بارہ میں واضح ارشاد امام محمد طاہر گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں درج فرمایا ہے اس لیے آپ نے ایک یہ اپنی دلیل بھی تراش لی ہے کہ چونکہ امام محمد طاہر گجراتی خود حیات مسیح کے قائل تھے اس لیے امام مالک کے متعلق ان کا یہ لکھنا کہ وہ مہابت مسیح کے قائل تھے، برعکس معنی رکھتا ہے۔

(۴)

امام ابن حزم کے عقیدہ وفات مسیح کو بھی آپ نے اپنی اس رٹ سے کمزور کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ نزول مسیح کے بھی قائل ہیں اور آپ نہیں سمجھتے کہ وفات عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نزول مسیح کے ہم بھی قائل ہیں تو ابن حزم کا رجحان کس جانب ہوا؟ یقیناً وہ ہمارے مؤقف سے قریب تریں۔

آپ کو یہ بھی اصرار ہے کہ ابن حزم نے محض مسیح کے قتل ہونے یا صلیب پر مرنے سے انکار کیا ہے حالانکہ خود آپ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

تَوَقَّأَ اللَّهُ ثُمَّ رَفَعَهُ

کہ خدا نے پہلے وفات دی پھر اس کے بعد رفع فرمایا۔ پس اس سے تو تمام نبیوں کی طرح مسیح کا رفع درج ثابت ہوا نہ کہ جسم۔ اور اپنے کج عقیدہ کے مطابق متَوَقَّئَكَ دَرَفَعْتَ کی آیت قرآنی میں آپ تقدیم و تاخیر کرنے کی بے ادبی اور جسارت کرتے ہیں۔ جہاننگ قرآن کریم کی اس آیت کا تعلق ہے اُس میں آپ کی یہ جسارت کہ (نحوذ بانذر) اللہ تعالیٰ نے علی سے وفات کا ذکر رفع سے پہلے کر دیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی

وفات، رفع کے بعد ہوتی تھی تو اس بارہ میں امام ابن حزم کا فتویٰ سن لیجیے۔ وہ آپ کی اس بودی دلیل کو قطعاً رد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-  
**تَوَقَّأَ اللَّهُ ثُمَّ رَفَعَهُ**

کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے وفات دی پھر اس کے بعد رفع فرمایا اب بہانہ حائے بیار میں سے ایک آخری حیل آپ کے پاس یہ رہ گیا تھا کہ آپ توفی سے مراد وفاة النوم لے لیتے ہیں۔ تو ابن حزمؒ اس کا بھی انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

**نَهَى اللَّهُ التَّمَاعِي وَفَاةَ الْعَوْتَ**

جس کا ترجمہ خود آپ نے یہ کیا کہ نَلَمَّا تَوَقَّيْتَنِي میں وفات نوم کا ارادہ نہیں کیا گیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس سے وفات موت کا ارادہ کیا ہے۔  
 اس بحث سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کی یہ تعلق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک حیاتِ سیح کے عقیدہ پر اُمتِ محمدیہ کا اجماع رہا ہے، محض غلط ہی نہیں بلکہ عمداً افتراء کا ارتکاب ہے۔ جس شخص کو امام ابن حزم کے ان تمام فرمودات کا علم ہو وہ اپنے ہوش و حواس میں تو یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف حیاتِ سیح کا عقیدہ منسوب کرے سوائے اس کے کہ عمداً افتراء سے کام لے کر انکی طرف یہ غلط بات منسوب کرے۔

رحا آپ کا یہ زعم باطل کہ قتل اور صلیب کے ذریعہ سیح کی موت کا انکار کر کے مُتَوَقَّيْتُکَ اور تَوَقَّيْتَنِي سے جس طبعی موت کا ابن حزم اقرار کر رہے ہیں اس سے مراد وہ دوسری موت جو بعثت کے بعد ہوگی۔

آپ کی متد اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ ابن حزم کے ان واضح قطعی بیانات

کے باوجود جو ہر ایہام سے پاک ہیں، آپ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے۔ کہ ابن حزم "جب مسیح کی موت کا حکم کھٹا اقرار کرتے ہیں تو اس سے مراد ان کی صرف یہ ہے کہ آسمان سے جب وہاں دنیا میں لوٹیں گے، پھر مرے گئے حالانکہ خوب اچھی طرح آپ کے علم میں ہے کہ حضرت امام ابن حزم رفع کے بعد کی موت کا عقیدہ مذکور کرتے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں کہ مُتَوَقِّفَاتُ کَاَعْلَ رَاٰفَعَاتُ کے حل سے پہلے واقع ہوا ہے۔ آپ جاہل عوام کو تو دھوکا دینے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں، خدا کو کس طرح دھوکہ دے سکتے ہیں۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ اس کے حضور آپ کی لازماً جواب دہی ہوگی۔

امام ابن حزم کے مسیح کے رفع روح کے اس قول کی تائید مزید کتاب الفضل "میں درج ان کے اس فیصلہ برحق سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کی ارداع کو دیکھا۔

دیکھے معیات مسیح کی ایک خطرناک لغزش کے بعد کس طرح آپ کو لغزش پر لغزش اللہ تادیل پر تادیل کرنی پڑ رہی ہے۔ صحیح بخاری کی واضح حدیث موجود ہے کہ معراج کی رات باقی نبیوں کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی اور علامہ ابن حزم ایک طرف مسیح کی توفی بالموت کے بعد ان کے رفع روح کا اعلان کر رہے ہیں تو دوسری واشگاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ارداع کو دیکھا۔ نہ کہ ان میں سے کسی کے جسم کو۔ اب آپ کے لیے کیا جائے فرار باقی رہ گئی ہے ۹۔

آپ کی یہ تادیل بھی حماقت کا شاہکار ہے کہ انبیاء کی روحوں کو ان کے بدنوں میں دیکھا گیا ہوگا۔ اس پر نہ تو کوئی قرآنی دلیل ہے، نہ ماثور اور عقلی دلیل۔ آپ کا تاہم جو چاہے اگلتا چلا جا رہا ہے اور آپ ذہن مہر بھی یہ خیال نہیں کرتے کہ بحث و تمحیص میں عقلی و نقلی



دلائل کی ضرورت ہو ا کرتی ہے نہ کہ محض دعاوی کی۔ اور پھر دعاوی بھی ایسے جنہیں عقل انسانی بالبداہت رد کرتی ہو۔

قرآن شریف واقعہ معراج کے بارہ میں فرماتا ہے

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۝ (الجنم: ۱۲)

کہ دل نے جو نظارہ دیکھا وہ جھوٹ نہ تھا۔ یعنی واقعہ معراج میں رؤیت قلبی تھی نہ کہ رؤیت عینی کہ بقول آپ کے ”محسوس ارواح“ لازم آئے۔

آپ کی یہ دلیل نہایت احمقانہ ہونے کے باوجود اگر تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ابن حزمؒ نے جب یہ لکھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی روحیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئیں تو یہ بات قطعی ہو گئی کہ ان میں ایک بھی روح ایسی نہ تھی جو زمین سے اپنا بدن ساتھ لے کر گئی ہو۔ ورنہ اس روح کے متعلق یہ کہنا لازم تھا کہ سوائے فلاں نبی کے جو دنیاوی بدن سمیت دہلی موجود تھا۔ پس مسیحؑ کی روح کا دیگر انبیاء کے ساتھ بحیثیت روح کے شامل ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گا۔ اس لائق بحث سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا کہ خدا نے ان روحوں کو دکھانے کے لیے بدن عطا کیا تھا یا نہیں؟ ان روحوں کے زمین پر چھوڑے ہوئے تر خاک ابدان کو آسمان پر لے جانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور غالباً آپ بھی اپنی بے باکی کے باوجود یہ نظریہ پیش کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔

انبیاء کی روحوں سے نبی کریمؐ کی ملاقات کا تذکرہ صرف ابن حزمؒ نے ہی نہیں کیا بلکہ علامہ ابن قیمؒ اور داتا گنج بخشؒ نے بھی کیا ہے۔ پھر بھی آپ ان ارواح کو اجسام مثالیہ سے تعبیر کرنے پر مصر ہیں۔

اجسام مثالیہ کے بارہ میں ہم بات کھول چکے ہیں کہ یہ وہ جسم نہیں تھے جو زمین پر چھوڑے گئے تھے۔ پھر آپ کو اس دلیل سے کوئی فائدہ پہنچنے کی توقع ہے تو سوائے اس

کے کہ آپ کی حالت پر حرم کیا جائے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کا یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھا کہ ”صحیح احادیث میں وارد ہے کہ مسیح کو آسمان پر اٹھایا گیا“ مگر اس کی تحقیق نہ فرمائی کیا آپ ایسی کوئی ایک حدیث بھی پیش کر سکتے ہیں جو رفع جہانی پر دلیل بن سکتی ہو۔ اب بھی آپ کو چیلنج ہے کہ اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو لایئے اور بیس تہزار روپے کے حضرت مرزا صاحب کے انعامی پیسے سے فائدہ اٹھائیے۔ پھر اگر حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک طرف واقعہ معراج میں صحیح بخاری کی حدیث کی رو سے ارواح سے ملاقات کو تسلیم کیا ہے تو اس کے مقابل آسمان پر جانے کی کسی ضعیف روایت کو قبول کرنا کس طرح قیاس ہے۔ ایک طرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان کہ مسیحؑ کی روح بھی ارواحِ انبیاء میں شامل تھی، اپنے ساتھ صحیح بخاری کی حدیث کی صورت میں ایک قطعی تائیدی گواہ لکھا ہے اس لیے اس دعوے کو من و عن قبول کیئے بغیر چارہ نہیں۔

دوسری طرف جب ان کے اس دعوے پر نظر کرتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے تو تلاشِ بیار کے باوجود ایک بھی صحیح حدیث اس دعوے کے ثبوت میں نہیں ملتی۔ پس یہ دوسری شکل ان معنوں میں تو ہرگز قابل قبول نہیں کہ احادیث صحیحہ میں حضرت مسیحؑ کے جسم سمیت آسمان پر اٹھا جانے کا ذکر ملتا ہو۔ ہاں اگر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھانے سے مراد رفع درجات لیا ہے تو پھر اس مسئلے میں آپ کے اس ارشاد کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں



## ۵

حضرت ابن عباسؓ کے صحیح بخاری میں درج قول مَسْوِقِيكَ مُبِيتُكَ کو آپ نے درمنثور میں ان کی طرف منسوب ایک دوسرے قول سے کمزور کرنے کی بے سود کوشش کی ہے کیا یہ انصاف کا خون نہیں کہ آپ اُصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری کی ایک صحیح اور ثقہ روایت کو (کہ قرآن اللہ عقل جس کے مؤید ہیں) مردود قرار دے رہے ہیں اور درمنثور کی ایک کمزور ، بلا سند روایت کو (جو غلاب عقل اور غلاب قرآن بھی ہے) اس لیے قبول کر لیں کہ وہ آپ کے غلط عقیدہ کی تائید کرتی ہے۔ آپ نے مفسر قرآن حضرت ابن عباسؓ کی بخاری میں درج اس تفسیر (جس سے وفات یسع ثابت ہوتی ہے) کے ایک راوی علی بن ابی طلحہ پر بلا تحقیق منعکس کا الزام لگایا ہے اللہ یہ تحقیق نہیں کی کہ علمائے فن نے حضرت ابن عباسؓ تک پہنچنے والی جملہ اسناد میں سے صرف اسی سند کو ثقہ اور مضبوط قرار دیا ہے جس میں علی بن ابی طلحہ ہوں یہناچہ علامہ سیوطیؒ اتقان میں لکھتے ہیں:

”وَقَدْ وَرَدَ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي التَّفْسِيرِ مَا لَا يَخْصِي كَثْرَةً وَ فِيهِ رِوَايَاتٌ وَطَرُقٌ مُخْتَلِفَةٌ فَمِنْ جَيْدٍ هَاطِرٍ يُقَالُ ابْنُ ابْنِ خَلِصَةَ أَهْمَا شَيْءٍ“

(الاتقان فی علوم القرآن علامہ سیوطیؒ ج ۲۔ ص ۳۳۱ مطبوعہ مصر)

یعنی حضرت ابن عباسؓ سے منسوب تفسیر میں لاتعداد کثرت پائی جاتی ہے اور اس میں مختلف طرق اور روایات ہیں ان میں سب سے بہترین سند وہ ہے جو علی بن ابی طلحہؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کو مصر میں ایک ایسے شخص کی موجودگی کا علم ہوا جو علی بن ابی طلحہؓ سے

مردی تفسیر پر مشتمل تھا تو آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش کوئی شخص علی بن ابی طلحہ سے مروی اس نسخہ کے مطالعہ کے لیے مصر کا قصد فر کرے یہی اہم نسخہ امام بخاری کے نزدیک قابل اعتماد تھا اس بارہ میں علامہ ابن حجر کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ وہ فرماتے ہیں :-

”وَهَذَا النُّسخَةُ هَانَتْ عِنْدَ ابْنِ صَالِحٍ كَاتِبِ اللَّيْثِ زَوَاهَا  
عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ ابْنِ طَلْحَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ  
وَهُوَ عِنْدَ ابْنِ خَارِزِمٍ عَنْ ابْنِ صَالِحٍ وَقَدْ اعْتَمَدَ عَلَيْهِمَا  
فِي ضَعْفِهِمْ كَثِيرًا فِيمَا تَعَلَّقَهُ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ“

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامة سیوطی جلد ۲، ص ۲۲۱ مطبوعہ مصر)

یعنی یہ نسخہ لیث کے کاتب ابوصالح کے پاس تھا جسے معاویہ بن صالح نے علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور یہ روایات امام بخاری کے پاس ابوصالح سے پہنچی ہیں اور امام بخاری نے اس نسخہ پر اپنی صحیح بخاری میں اتنا زیادہ اعتماد کیا ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس سے مروی ایسی روایات بطور تعلیق (یعنی بلا سند) اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ آپ کا یہ اعتراض کہ علی بن ابی طلحہ کا سماع ابن عباس سے ثابت نہیں کوئی نئی تحقیق نہیں بلکہ علماء نے اس سوال کی قسلی بخشش تحقیق کر کے پھر علی بن ابی طلحہ کی روایات قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں :-

”وَقَالَ تَوْمٌ كَذَبْتُمْ ابْنُ ابْنِ طَلْحَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ التَّفْسِيرُ  
وَأَنَّمَا أَخَذَ عَنْ مُبَاجِزٍ أَوْ مَعِينٍ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ  
بَعْدَ أَنْ عَرَفْتُ أَنَّهُ سَيِّئٌ وَهُوَ ثِقَةٌ فَلَا ضَيْرَ لِي فِي ذَلِكَ“

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامة سیوطی جلد ۲، ص ۲۲۱ مطبوعہ مصر)

یعنی ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ابن ابی طلحہ نے ابن عباس سے تفسیر نہیں سنی بلکہ (ابن عباس کے شاگردوں) مجاہد اور سعید بن جبیر سے اخذ کی ہے (یہی وجہ ہے کہ) علامہ ابن حجر نے کہا کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباسؓ کے درمیانی واسطہ کے معلوم ہو جانے کے بعد اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ مجاہد اور سعید بن جبیر ثقہ راوی ہیں علی بن ابی طلحہ کی ابن عباسؓ سے روایات قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فیصلہ بھی سن لیں آپ الفوز الکبیر فصل اول میں شرح غریب قرآن کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

”بہترین شرح غریب قرآن است کہ اذل از ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباسؓ از طریق ابن ابی طلحہ صحیح شدہ است و بخاری و صحیح خود غالباً برحی طریق اعتماد کردہ است“

(الفوز الکبیر ۱۵ مطبع علمی دہلی)

یعنی غرائب قرآن کی شروع میں سے بہترین شرح، شرح قرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ہے جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے محبت کے ساتھ ہم کو پہنچی ہے اور غالباً امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے۔

اور ہمارے نزدیک حضرت ابن عباسؓ مفسر قرآن کی یہ روایت اس لیے بھی قابل قبول ہے کہ موافق قرآن و سنت و عقل و نقل ہے۔

اس بحث سے یہ بات تو خوب کھل گئی ہے کہ آپؓ نے جو بخاری سے ہماری پیش کردہ ابن عباسؓ کی روایت کو رد کرنے کی کوشش کی تھی اس سے وہ روایت تو رد نہیں ہو سکی لیکن آپؓ کی یہ کوشش یقیناً مردود ثابت ہو چکی ہے جو آپؓ نے اسے رد کرنے کے لیے کی۔ مزید فائدہ اس بحث سے یہ پہنچا کہ آپؓ کی عیبت کا پول کھل گیا۔ پس یا تو آپؓ کا عالم ہونے کا دعویٰ

معنی دھوکہ ہے کہ یقیناً ان روایات پر آپ کی نظر نہیں یا پھر اس فیصلہ کے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ عالم تو ہیں مگر تقویٰ سے عاری ہیں کہ اتنے ٹھوس علمی دلائل سے صرف نظر کر جانا معنی ہیر پھیر کرنے والے کو زیب دیتا ہے، ایک عالم دین ایسی جسارت نہیں کر سکتا۔

اب ذرا ان روایات کا حال بھی معلوم کر لیجئے جو آپ نے اپنے عقیدہ حیاتِ مسیح کے حق میں پیش کی ہیں در مشور کے حوالے سے ابن عباسؓ کا جو قول آپ نے پیش کیا کہ  
 مُشَوِّقَتِكَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ "کہ آخری زمانے میں تجھے وفات دوں گا ازل تو یہ بلا سند قول ہے اور کسی مستند کتاب میں مع سند یہ قول موجود نہیں نہ تفسیر ابن جریر طبری میں نہ ہی تفسیر ابن کثیر میں اور نہ تفسیر ابن عباسؓ میں پھر اس قول پر کیسے اعتماد کیا جائے اور کیوں اُس کے مقابل پر امام بخاری کی مستند صحیح روایت کو ترک کیا جائے جو وفاتِ عیسیٰ کا صاف اعلان کر رہی ہے۔

آپ کی بدکھلاہٹ کی حد یہ ہے کہ بخاری کی ایسی مستند روایت کو رد کرنے کے لیے آپ نے ایسی رذائیت تلاش کی جس کی نہ سند کسی مستند کتاب سے لی اور ویسے بھی یہ حضرت ابن عباسؓ کی بجائے روایت نقل کرنے والے کا عقیدہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی بی شمار مثالیں ہیں کہ لوگ اپنی رائے ابن عباسؓ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اس لیے آپ کی پیش کردہ روایت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

دوسرے متوفیات سے آخری زمانے میں مسیح کی کوئی یعنی موت مراد لینے سے لازم آتا ہے کہ ان کا رفع ابھی نہیں ہوا کیونکہ مُتَوَقَّفَاتُ کے بعد رَافِعَاتُ آیا ہے اور یہ عقیدہ خلافِ قرآن ہے قرآن واضح الفاظوں میں اعلان کر رہا ہے کہ یہودنا مسعود مسیح کو صلیب پر مار کر مصلحتی توہمت لعلتی ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ مسیح کا رفع روحانی ہوا فرمایا۔  
 بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۖ وَهُوَ آيَةٌ لِّكُلِّ عَالَمٍ ۚ اَلْغَيْبُ حُدُودُ ۚ كَلَامِہٖ مِّنْ بَيَانِ ۚ

ترتیبِ مَوتِ نَبِیِّکَ دُرِ اِنْعَلَتْ درست نہیں بلکہ اصل اور صحیح ترتیب اس کے اُلٹ رَافِعْلَکَ  
وَمُتَوَفِّیْکَ ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا نہ صرف سودِ ادبی ہے بلکہ سخت جاہلانہ خیال ہے اور عالمِ  
غیب خدا پر اعتراض ہے جس کی جرأت کوئی صاحبِ بصیرت انسان نہیں کر سکتا رہی حضرت ابن  
عباسؓ کی وہ روایت جس میں مسیحؑ کے دوبارہ نزول کا ذکر ہے سودِ ہمارے لیے چنداں مضر  
نہیں کیونکہ نزولِ مسیح کے ہم میں قائل ہیں مگر وفاتِ مسیح کے بعد نزولِ مسیح سے ان کے مثیل  
کی آمد مراد لینے ہیں۔ یہی حال حضرت ابن عباسؓ کا ہے جو مَوتِ نَبِیِّکَ کے معنی موت کرتے ہیں  
اور مسیح کی وفات تسلیم کرتے ہیں اس کے بعد نزول پر ایمان یقیناً تعبیر طلب ہے۔ جہاں تک  
تفسیر ابن کثیر کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب ہے کہ مسیح کو  
زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور یہود نے ان کی جگہ کسی اور کو پکڑ کر قتل و صلب کیا۔

اول تو یہ روایت صحیح بخاری سے معارض ہونے کے باعث قابلِ رد ہے دوسرے یہ  
روایت ابتدائی زمانہ کی کسی حدیث یا تفسیر کی کتاب میں نہیں ملتی بلکہ ساٹھ صدیاں بعد اچانک  
ابن کثیر کی تفسیر میں دوائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ایسی ہی روایات کو درخورِ  
اعتناء نہیں سمجھا گیا چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

”وَحَدَّثَنَا الشَّافِعِيُّ بْنُ يَسْرٍ الْجَوْزِيُّ الْقَتَنِیُّ الْقَسْبِیُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ  
مَرْثُیَّةٍ رَوَاهَا مَجَاهِلٌ كَتَبْتُ لِيَرْجُوَ عَنْ الصَّخَاكَةِ عَنْ  
ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ جُرَيْجٍ فِي التَّفْسِيرِ جَمَاعَةٌ رَوَوْاهُ عَنْهُ“

(الاعتقان فی علوم القرآن علامہ سیوطی ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ مصر)

اور یہ طویل تفاسیر جو لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی ہیں ناپسندیدہ ہیں۔  
ان کے ماویٰ غیر معروف ہیں جیسے جوہر کی مناک سے اور اس کی ابن عباس سے روایت اور ابن  
جریر کی تفسیری روایات جو ایک بڑی تعداد میں ان سے روایت کی گئی ہیں

یہی حال آپ کی بیان کردہ روایات تفسیر ابن کثیر کی سند کا ہے حیرت کہ کس طرح آپ نے بلا تحقیق اس کمزور سند کو سند صحیح قرار دے دیا شاید اسی لیے آپ نے سند نقل کرنے کی زحمت نہیں فرمائی اگر آپ کو سند کے راویوں کے اسماء سے اطلاع ہوتی اور کتب رجال سے ان کے احوال دریافت کیے ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اس سند کے ایک راوی منہال بن عمرو کو تو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۲۲ اعلام ابن جریر مستطانی)

دائرة المعارف النظامیہ انکار فی التہذیب ص ۳۲۲ محمودہ حیدر آباد )

اس سند کے دوسرے راوی ابو معاویہ شیبان بن عبد الرحمن ہیں جو خود ثقہ ہیں اور ان کی اعش سے مروی روایات ایسی منفرد احادیث ہوتی ہیں جو منکر ہیں۔ ابو حاتم ان کی روایت سے دلیل پکڑنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ابو معاویہ کی یہ روایت اعش سے مروی ہے لہذا منکر ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۲۲ ابن جریر مستطانی بحوالہ دائرة المعارف ص ۳۲۲ محمودہ حیدر آباد)

لہذا صیازی صاحب! اس تحقیق حق کے بعد تو مسیح علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے سبب رستے مسدود ہو گئے ہیں۔

(۶)

آپ نے علامہ عبید اللہ سندھی صاحب کی تفسیر اہام الرحمن کو ان کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

مولوی صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہ تفسیر اٹھا کر ہی نہیں دیکھی۔ یا دیکھی ہے تو حسب عادت ان شواہد سے صرف نظر کر گئے ہیں جو اسی کتاب میں آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔ زیر بحث کتاب کے دیباچہ میں مولوی عبید اللہ صاحب نے قطعی شہادت پیش کی ہے کہ :-



امام سندھی کے قیام لکڑ کے دوران علامہ موسیٰ جارا اللہ نے ان کی یہ تفسیر عربی میں قلمبند کی جو علامہ سندھی کی واپسی پر ان کے پیچھے مولانا عزیز احمد دیگر قلمی و مطبوعہ کتب کے ساتھ تھیں لائے امام سندھی کے شاگرد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے اس عربی تفسیر کے دو حصوں کو شائع فرمایا جبکہ امام سندھی کی عربی تفسیر کے مسودہ کا ترجمان کے شاگرد مولانا عبدالرزاق نے کیا اور محمد معاذیہ عبید اللہ نے اس کی طباعت کرائی۔ (دیباچہ تفسیر امام الرحمان جلد اول ص ۱۲)

ناشر: علامہ مولانا محمد معاذیہ - اعلیٰ بیت الحکمہ، امام ولی اللہ الدہلوی

اس میں شک نہیں کہ مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے مداح تھے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان پر مقلد ہونے کا الزام لگائیں۔ علامہ عبید اللہ سندھی نے وفات مسیح کے معاملہ میں آزادانہ طور پر اپنے مذہب کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح آپ نے اپنی لامٹی میں مولانا آزاد مرحوم کی طرف وفات مسیح کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی آپ کی تحقیق اور صوری نہ گئی۔ ملفوظات آزاد مشہور پر درج ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو ڈاکٹر انعام اللہ خان آف بلوچستان نے لکھا کہ مرزاں لوگ آپ کی طرف مختلف معاملات منسوب کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا وفات مسیح کے قائل ہیں۔ براہ کرم ایسی فیصلہ کن کتاب لکھ دیں کہ بولنے کی جرأت نہ رہے اور اس میں یہ بھی درج فرمائیں کہ اس کے ذریعے تمام پرانی تحریریں منسوخ ہیں اور پرانے خیالات بھی۔

اس کے جواب میں مولانا ابوالکلام آزاد نے بڑا واضح اور صاف جواب دیا کہ ”وفات مسیح کا جو ذکر خود قرآن میں ہے“ اس پر بس نہیں مولانا آزاد نے اپنی تصنیف ”نقشِ آزاد گاہیں حیات مسیح کے عقیدہ کو غیر اسلامی قرار دیا۔“

اس سے بھی مزید وہیں سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ بغیر علم اور بغیر تحقیق کے بات کرنے کے عادی ہیں تاکہ سادہ بندگانِ خدا کو دھوکا دیں۔ یا پھر ارادۂ ان

شواہد سے صرف نظر کرتے ہیں جو آپ کے پیش کردہ دلائل اور مؤقف کو مردود ثابت کرتے ہوں۔



عرب، مصر اور ہندوستان کے ایک درجن سے زائد علماء کرام (جو وفاتِ مسیح کے قائل ہیں) کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات دینی عقائد میں سند اور حجت نہیں فہم قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور سلف صالحین کا ارشاد لائق استناد ہے۔

جناب آپ تو حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت امام مالک کے مذہب وفاتِ مسیح کو بھی منکر نہیں مانتے آپ سے علمائے کرام بشمول مفتی مصر علامہ غسود شلتوت کو نہ ماننے پر کیا شکوہ۔

مولوی صاحب! آپ کی کیفیت تو اس درخت کی سی ہے جسے زمین سے اکھاڑ دیا گیا ہو **صَالِحِينَ مِنْ قَرَارٍ**۔

آپ کو یہ جرأت تو ہے کہ علامہ غسود شلتوت کے مقابل پر زیادہ مستند اور مسلم دین ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ لیکن اب بحث صرف یہ رہ گئی ہے کہ علامہ شلتوت اور مجتہد علماء آپ کے اس عقیدہ کے قائل ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس عقیدہ کے قائل ہیں۔ پس آپ کا اجماعِ امت کہاں گیا؟؟؟





چہاں مسیح کے عیسائی عقیدہ کو آپ نے اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ اس بارہ میں پہلے ذرا محققین کی آرا کا مطالعہ فرمایا کیجئے :-  
۱۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں :-

” زاد المعاد میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ برس کی عمر میں مرفوع ہوئے کوئی متصل حدیث اس بارہ میں نہیں ملتی۔ شامی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ سے مروی ہے۔“  
(شرح زرقانی علامہ محمد بن عبداللہ البانی جز اول ص ۳۳ الطبعہ الاولیٰ بالمطبعۃ الازہریہ المصریہ ۱۳۲۵ھ)  
یہی بات علامہ قیم نے زاد المعاد میں اور ذوالاب حدیثی حسن خان نے تفسیر فتح البیان میں لکھی ہے۔

۲۔ سر سید احمد خان تحریر فرماتے ہیں :-

” قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے حعلق چار جگہ ذکر آیا ہے.....  
مگر چونکہ علماء اسلام نے یہ تعلیق بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔“  
(تفسیر احمدی مصنفہ سر سید احمد خان ص ۴۵ حصہ اول جلد اول در مطبعہ مفید عامہ آگرہ ۱۳۲۱ھ)  
۳۔ علامہ عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں :-

” یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے۔ مسلمانوں میں فتنہ عثمان کے بعد بواسطہ انصاری بنی حاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے۔“ (تفسیر الامام الرحمان ص ۴۴ عبید اللہ سندھی جلد اول۔ ناشر :- علامہ مولانا محمد عابدی)

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

”یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل و لباس میں نمودار ہوا ہے“

نقشِ آئنا دہشتہ نامہ شریح کتب منزل لاہور مؤلف غلام رسول مہر مطبع علی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

۵۔ علامہ شوریٰ لکھتے ہیں :-

”عیسائی علماء نے یہودیوں کو دائرہ عیسائیت میں لانے کی خاطر بے سر دیا باتیں عوام میں پھیلا دیں دفات کے متعلق بھی لوگوں کو ذہن نشین کرایا گیا کہ حضرت عیسیٰ نے صلیب پر جان تو ضرور دی ہے لیکن تین دن کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گئے اور قیامت کے قریب زمین پر آئیں گے اور عیسائیت کے دشمنوں کا قلع قمع کریں گے“

(سائنٹفک قرآن از علامہ شوریٰ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی نمٹرن قرآن سوسائٹی کراچی)

۶۔ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں :-

”حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا تصور مذہب عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر قتل کر دیا ہے حواریوں کو معلوم تھا کہ حقیقت حال یہ نہیں لیکن وہ تقاضائے مصلحت اسی کی تردید نہیں کر سکتے تھے“

(شعلہ مستور ادارہ طلوع اسلام کراچی ص ۸۳)

جہاں تک آپ کے اس تجزیے کا تعلق ہے کہ آپ کے عقیدہ حیاتِ مسیح اور عیسائیوں کے عقیدہ حیاتِ مسیح میں کوئی مطابقت نہیں تو آپ کا یہ دعویٰ باطل اور حقائق پر مراسر پرودہ ڈالنے والی بات ہے ہم نے کتب یہ دعویٰ کیا ہے کہ تفصیل اور فروعی مسائل میں آپ عیسائیت سے مطابقت رکھتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ مسلمان نہ کہلاتے عیسائی کہلاتے۔ مگر اس امر میں کیا

شک ہے کہ بالعموم آپ کے عقیدہ اور عیسائی عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ ذرا پھر غور کر کے دیکھ لیجئے!!

۱۔ کیا آپ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے؟ یہی عقیدہ عیسائیوں کا ہے۔

۲۔ کیا آپ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مسیح ناصری دوبارہ آسمان سے اتریں گے؟ اور اُمت محمدیہ کی اصلاح کے لیے اس اُمت کا کوئی فرد نہیں آئے گا بلکہ آپ عیسائیوں کی طرح اسی مسیح کے جہانی نزول کے قائل ہیں جن کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔

آپ کے عقیدہ اور عیسائیوں کے عقیدہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح مرکز زندہ ہو اور پھر آسمان پر چڑھا۔ آپ کہتے ہیں مراہی نہیں بلکہ زندہ چڑھا لیکن جہان تک اسی مسیح کے بنفہم زندہ آسمان پر جانے اور بنفہم آنے کا تعلق ہے آپ کے اور عیسائیوں کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔

بحث صرف یہ نہیں کہ آپ مسیح کے بنفہم زندہ آسمان پر جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے بنفہم واپس آنے کا یقین رکھتے ہیں بلکہ اس کے نتیجہ میں عیسائی آپ کو عقلاً و نقلاً الٰہیت مسیح کے عقیدہ کا قائل کر سکتے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں لاکھوں مسلمان اسی غلط عقیدہ کے باعث عیسائیت کا شکار ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ منہ کر کے بیٹھ جائیں اور نہ مانیں مگر جب وہ قرآن کریم کی یہ دلیل پیش کر دیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا گیا کہ قسم سمیت آسمان پر چڑھ کر اور اتر کر دکھاؤ تو ان کو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ مطالبہ کرنے والوں کے سامنے یہ جواب پیش کر دو کہ هَلْ كُنْتُمْ الْاَبَشَرُ اَرْسُولًا - یعنی میں تمہارے اس قسم کے ناجائز مطالبے پورے نہیں کر سکتا

بلکہ میں تو معنی ایک بشر اور رسول ہوں۔ گویا بشر اور رسول کا آسمان پر زندہ چڑھ جانا اسی طرح زندہ آسمان سے اتر آنا حال ہے۔ پس اگر آپ قرآن کریم کی اس آیت کی سچائی کے میں قائل ہیں تو خواہ منہ سے مانیں یا نہ مانیں، لازماً یہ عقیدہ بنے گا کہ وہ مسیح نامصری جو زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور زندہ اتر کر دنیا میں ظاہر ہو گا وہ نہ بشر ہو گا۔ رسول بلکہ اس کا جانا اور واپس آنا اس کا مافوق البشر اور مافوق الرسول ہونا ثابت کرے گا۔ پس یہی عیسائی عقیدہ ہے اور یہی من و عنان کی دلیل ہے کہ مسیح عام رسولوں سے مختلف تھا۔ بشر نہیں بلکہ خدا کا بیٹا تھا اور رسول نہیں بلکہ خود مظہر الوہیت تھا۔ پس اب آپ کے لیے کوئی راہ فرار نہیں رہی۔ آپ کا عیسائیت کے ساتھ عقائد میں یہ اشتراک، حیات مسیح کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس کی وجہ سے آپ مسلمان کہلا کر عالم عیسائیت کی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے مقتدر تھا کہ مسیح موعود کا سر صلیب بن کر آئے اور صلیبی عقائد کو جو مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں قلع قمع کرے۔ چنانچہ کبر صلیب کا یہ کارنامہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ نے خوب انجام دیا۔

اس سلسلہ میں ہم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں مولوی نور محمد نقشبندی کا یہ حوالہ پیش کر کے بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن اور سنت اور بائبل اور عقل سے مسیح نامصری کی دعوت ثابت کر کے اس دور کے مسلمانوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ان کو عیسائیت کی خوفناک یلغار سے بچایا۔ مولوی نور محمد نقشبندی کے بارہ میں آپ کم از کم اتنا تو جانتے ہیں کہ وہ احمدیت کے مذاہنوں میں سے نہیں تھے اور آپ کے بزرگ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے غلط مزیدوں میں سے تھے۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں۔

”اسی زمانہ میں پادری یغزائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کر تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا دیا گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلام

کی سیرت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا وہ تو ناکام ثابت ہوا..... مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بحکم خلک زندہ ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کیلئے اُس کے خیال میں کارگر ثابت ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوئے اور یفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں..... اس ترکیب سے اُدسنے ہندوستان سے لے کر دلائی تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔

(دیباچہ ترجمہ قرآن مولوی اثرت علی تھانوی ص ۳۳۳ء در محمد مالک کا رفاد تجارت کتب اسلام باغ پٹنہ)

## ۹

آپ نے کمال بے باکی سے ۴۰ صحابہ کی فہرست شائع کی ہے جنہوں نے مبتدئہ طور پر نزولِ مسیح کے ساتھ حیاتِ مسیح کا عقیدہ بھی اپنا رکھا تھا۔ اس طرح آپ نے سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ آپ یہ جانتے ہیں کہ نزولِ مسیح ایک پیشگوئی ہے جسے ہم کیا اس سے بھی زیادہ صحابہ نے بیان کیا ہو گا مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اپنا حیاتِ مسیح کا عقیدہ بیان نہیں کیا۔ ہمارا آپ کو چیلنج ہے کہ کسی ایک صحابی کی کوئی صحیح روایت حیاتِ مسیح کے بارہ میں ثابت کر دیں۔

وہ صحابہ کرام جنہو مذہبی اصطلاحوں کو آپ سے ہزاروں گنا زیادہ سمجھتے تھے اور قرآنِ کریم کی اس آیت سے خوب آشنا تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں لفظ نزول استعمال فرمایا گیا۔ یعنی قَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ ذِكْرًا رَسُولًا۔ پس نزول کے لفظ سے ان کے لیے کسی غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا تھا ان سب پر روشن تھا کہ نزول سے کیا مراد ہے۔

حق یہ ہے کہ یہ سب صحابہؓ کم و بیش وہ ہیں جو ثابت رسول پر مدینہ میں موجود تھے اور جن کا وفات مسیحؑ پر اجماع ہوا۔ کیا ان وقت ان صحابہ کو اپنا حیات مسیحؑ کا عقیدہ یا تو نہیں رہا تھا۔ ان میں سے ایک کا بھی اعتراض نہ اٹھانا یہ ثابت کر رہا ہے کہ آپؐ ان پر سراسر بہتان بائبل میں لکھا ہے کہ وہ نعوذ باللہ حیات مسیحؑ اور اس کے رفع جسمی کے قائل تھے۔

(۱۰)

آپؐ نے حضرت مسیحؑ کے عقیدہ حیات و نزول کے بارہ میں حسب ذیل بعض قرآنی آیات پیش کر کے ان سے حیات مسیحؑ کا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱:- یہ آیت کہ ذَاذِ مَكْرُوْذٍ وَاذِ مَكْرُوْذٍ وَاذِ مَكْرُوْذٍ وَاذِ مَكْرُوْذٍ وَاذِ مَكْرُوْذٍ (آل عمران: ۵۵) کہ یہود نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت سے مسیحؑ کی حیات یا نزول کا اشارہ تک نہیں ملتا اور جو تدبیر اللہ نے کی اس کا دوسری جگہ ذکر فرمایا کہ۔ اَوَيْتُمْ مَّا اِنَّا رُفُوْعٌ ذَاتِ قُرْبٰی وَاذِ مَكْرُوْذٍ (سورہ اہ: ۵۱)

کہ ہم نے مسیحؑ اور ان کی والدہ کو ایک بلند پہاڑی جگہ پر جو پرسکون اور چشموں والی تھی پناہ دی پس یہود کی صلیب پر قتل کرنے کی تدبیر سے بچا کہ حضرت مسیحؑ کو کشمیر کے علاقہ میں لا کر طبعی عمر سے وفات دینا اللہ تعالیٰ کے خیر الما کرین ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خدا سوچیے آسمان پر لے جانا اور مسیحؑ کی جگہ ایک بے گناہ کو صلیب پر چڑھا دینا اور اُدھر یہود کو اس دھوکہ میں مبتلا رکھنا کہ گویا انہوں نے واقعی مسیحؑ کو قتل کر دیا۔ کیا یہ باقی خَيْرُ الْمَكْرُوْثِینِ کو زیب دیتی ہیں۔ نعوذ باللہ یہ ہرگز خدا تعالیٰ کا بہترین مکر نہیں بلکہ کسی خام فکر کا بدترین مکر ہے جو اپنے پر اللہ ہے۔ آپؐ نے اپنے مکر کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا بھر غور نہیں کیا اور ایسی بے ہودہ اور نعوذ باللہ مکر خدا کی طرف منسوب کی ہے کہ جس کا کنا یہ و اشارة بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ذکر



نہیں گویا خدا کا ذیکر غیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ظاہر نہ ہو اشتراک اس پر ظاہر ہو گیا۔

ب۔ ۱۔ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (النساء ۱۵۸/۱۵۹)

یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے مسیحؑ کا اپنی طرف رفع کیا۔ اس آیت سے بھی مسیحؑ کی حیات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ رفع کے معنی عربی اور قرآنی محاذہ میں ہمیشہ بندی درجات اور عزت کے ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ نے اس آیت قرآنی کی رو سے مسیحؑ کی زندگی ثابت کرنے کی نہایت طفلانہ کوشش کی ہے۔ اگر اس آیت کریمہ میں مسیحؑ کے زندہ رہنے کا مضمون بیان ہوتا تو کھلی کھلی منہ سے یہ بات کہ یہودی مسیحؑ کو قتل کرنے میں یقیناً ناکام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ رکھا۔

اس تمام طویل آیت میں اُن کے ایک جگہ بھی زندہ رہنے کا ذکر نہ فرمانا معنی رکھتا ہے۔ پس خدا فرمایا نہیں مگر کہ مسیحؑ کو ہم نے زندہ رکھا۔ آپ زبردستی اس کو زندہ کر رہے ہیں اور ذرا غور نہیں کھاتے کہ یہ کتنا بڑا گناہ کر رہے ہیں۔

رحا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ سے آپ کا استنباط تو اقل تو قتل کا برعکس رفع ہو ہی نہیں سکتا موائے اس کے درجات کی بندی مُراد لی جائے کیونکہ دنیا میں کوئی شخص اس بابت کو معقول نہیں سمجھے گا کہ فلاں شخص قتل نہیں ہوا لہذا آسمان پر چڑھ گیا۔

دوسرا قطعی استنباط اس امر سے یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہاں بھی بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَى السَّمَاءِ نہیں فرمایا بلکہ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ فرما کر آپ کے استنباط کا سب تلو پلو بکھیر دیا ہے۔ ایک ایسے روحانی وجود کی طرف جو ہر جگہ موجود ہو جیسی رفع ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف روحانی رفع مُراد ہے۔ یعنی قرب الہی اور درجات کی بندی۔ آپ کے خیال میں کیا خدا تعالیٰ دہاں موجود نہیں تھا جہاں عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی؟

خدا کی طرف رفق جو نے سے مسیح کا جسم وہ جگہ چھوڑ کر کسی اور جگہ کیوں روانہ ہو گیا جہل خدا تعالیٰ حاضر و ناظر اور موجود تھا۔ کاش آپ لوگ قرآن کریم کو سمجھنے میں اگر تقویٰ نہیں تو محض عقل سے ہی کام لے لیا کریں تو نہ خود دھوکا کھائیں اور نہ بنی نوع انسان کو دھوکا میں مبتلا کریں۔

کیا آپ کا یہ بھی ایمان ہے کہ قرآن کریم نے جس بد نصیب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے  
لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ الْبَرَّ تَاجِدُوْهُ فِيْ سُبُوْحٍ ۚ  
لیتے لیکن وہ (بد نصیب بد بخت زمین کی طرف جھک گیا۔ کیا آپ اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں  
کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو جسم سمیت اسے آسمان پر اٹھالے جاتا مگر اس بد بخت نے جسم سمیت زمین کی  
طرف جھک جانے کو اختیار کر لیا۔

ج ۱۔ اِنْ تَحِبُّوْا خَلْلَ الْاَيْتِیْنِ مِّنْۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِ (النساء: ۱۶۰)  
آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مسیحؑ کے قرب قیامت میں آنے کی خبر ہے۔  
مولوی صاحب! خدا سمجھائیے کہ قرب قیامت میں آنے کی دلیل آپ نے قائم کس طرح  
کی ہے؟ آیت تریہ کہہ رہی ہے کہ اہل کتاب مسیحؑ کے قتل کے عقیدہ پر اپنی موت تک قائم رہیں  
گے۔ اس سے مسیحؑ کی زندگی کہاں سے ثابت ہو گئی۔

اگر آپ کی یہ دلیل مان لی جائے کہ تمام یہودیوں نے قرب قیامت سے قبل حضرت مسیح  
علیہ السلام پر ایمان لے آنا ہے تو یہ معنی اس آیت کے جو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ حبیب سے یہ  
آیت نازل ہوئی، بیسیوں نسلیں یہودیوں کی پیدا ہوئیں اور مر گئیں اور ایک نسل بھی مسیح علیہ  
السلام پر کلیتہً ایمان نہ لائی اور مر گئی۔ اگر آپ کی دلیل کو اس طرح من و عن قبول کر بھی دیا جائے  
تو ایک اور آیت قرآنی سے اس کا شدید تضاد ہوگا کیونکہ آپ کے بقول اس آیت کا یہ ترجمہ

بنے گا کہ (جب مسیح دوبارہ تامل ہوگا تو) اس زمانہ کے اہل کتاب تمام تر مسیح کے مرنے سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائے ہوں گے جبکہ قرآن کریم کی دوسری آیت **وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فُتُوًا الَّذِينَ كَفَرُوا** (ترجمہ :- اور جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا)

واشکاف الفاظ میں یہ اعلان کر رہی ہے۔ اس واضح اور دو ٹوک اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے منکرین باقی رہیں گے۔ اگرچہ آپ کے ماننے والوں کو ان پر غلبہ رہے گا۔ اسی طرح منکرین عیسیٰ یعنی یہود کا قیامت تک باقی رہنا قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ثابت ہے۔ **فَأَخْرِجْنَا مِنْهُمُ اعْدَاؤَهُ وَابْتِغَاءَ إِلَى يَوْمِ الثَّيْلَةِ (المائدة: ۱۵)** ترجمہ :- تب ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک عداوت اور سخت دشمنی ڈال دی۔ پس ان صریح الدلالت آیات کے مقابل پر آپ کی غلط تفسیر کی کوئی بھی دلیل نہیں رہتی۔ ویسے بھی ایک ایسی تفسیر جس کی صحت کا فیصلہ مستقبل کے حالات سے تعلق رکھتا ہو، وہی ذاتہً محض ایک ظن ہے جو ہرگز استدلال نہیں کہلا سکتی۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں **قَبْلَ مَوْتِهِ** کی دوسری قرأت جو بطور مفسرہ کمرے قبل **مَوْتِهِ** آئی ہے اور تفسیر ابن کثیر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قرأت بسند صحیح ثابت ہے تو آپ کا استدلال جو موتہ کی ضمیر میں مسیح کا تھا باطل ہوا۔

۵:- **وَإِنَّهُ لَعِنْدَهُ لَشَاعِعٌ - (الزمر: ۶۲)**

اس آیت میں **إِنَّهُ** کی ضمیر سے مراد آپ نے نزول مسیح کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے حالانکہ حسن بصری جیسے مفسرین نے **إِنَّهُ** سے مراد قرآن شریف لیا ہے۔  
(تفسیر ابن جریر - زیر آیت خدا)

لہذا پہلی ضرب تو آپ کی دلیل کی قطعیت پر یہ چڑھتی کہ اس آیت کریمہ کی ایک دوسری تفسیر جو آپ سے بہتر لوگوں نے کی ہے آپ کی تفسیر سے متصادم ہے اس لیے اگر گذشتہ زمانہ کے جید علماء نے بھی یہ تفسیر کی ہوتی تو اختلاف تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی ایک تفسیر کو حکم دلیل قرار دینا سہرا جائز نہیں۔ ویسے نزولِ مسیح کے ہم بھی قائل ہیں اور وہ صحابہؓ بھی قائل تھے جنہوں نے مجموعی صورت میں جسے ابہرہ سکوتی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شہادت دے دی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل سب انبیاء و رسل بائیں ہیں۔

پس وفاتِ مسیح کے قطعی طور پر ثابت ہونے کے بعد اس آیت کریمہ کی مسیح کے تعلق میں صرف یہی تفسیر ممکن ہے کہ روحانی مسیح یا مثیل مسیح کا نازل ہونا قربِ ساعۃ کی نشان ہو گا اور ساعۃ کا معنی وہی کرنا پڑے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق میں اس آیت میں ساعۃ کا معنی کیا جاتا ہے کہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالشَّيْءُ الْقَصِيرُ۔ دیکھو ساعۃ قریب آگئی اور چاند و مگرے ہو گیا۔ پس جو ساعۃ قطعی طور پر آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شقِ القمر کے وقت قریب آئی تھی۔ ویسی ہی ساعۃ کے قرب کی بیشک کوئی اس آیت میں کی گئی ہے کہ نزولِ مسیح کے ساتھ ایک دفعہ پھر وہ ساعۃ قریب آجائے گی۔ وہ قیامت جو زمین کے تہہ و بالا ہو کر برباد ہونے کی آپ کے دماغ میں ہے اس کا تعلق نہ اس ساعۃ سے ہے جو چاند کے پھٹنے سے منسلک کی گئی اور نہ اس ساعۃ سے ہے جس کا فلاں ذیبر بحث آیت کریمہ میں ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ

(الصفت: ۱۰)

السَّادَاتِ عَلَيْهِ

اس آیت سے آپ نے نزولِ مسیح مراد لے کر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام

کی تائیدی جہاں میں اس تغیر کے حق میں نقل کی ہیں۔ اس تکلف کی آپ کو چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ تو خود مسیح موعود ہونے کا ہے اور وہ ان آیات کو اپنے حق میں پیش کر رہے ہیں آپ نے لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ کی طرح حضرت مرزا صاحب کا آدھا مؤقت نقل کیا ہے۔

ہمارا آپ کا تو نزاع ہی یہ ہے کہ بموجب امام الہی

”مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق“ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے طور پر مبعوث فرمایا۔ پس بار بار آپ کو ہم یاد دلاتی کرتے ہیں کہ فیصلہ کن امر بعض دقات مسیح یا حیات مسیح کا نزاع ہے۔ اگر جیسا کہ قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ دقات شدہ ہے تو اس قسم کے آپ کے دلائل معنی ٹال مٹال ہیں۔ نزول مسیح کے معنی سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے والے کسی کو مسیح کے رنگ میں مبعوث کیا جائے اور اس بعثت کا نام نزول قرار پائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چند کہ جسم معیت آسمان سے نہیں اتارا گیا بلکہ مبعوث فرمایا گیا۔ ہاں ہمہ آپ کے لیے لفظ نزول سے پیدا ہونے والے اشتباہ کو دور کر دیا گیا۔ حضرت اقدس سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بے انتہا بلند ہے۔ قرآن کریم تو لفظ نزول ان عام چیزوں کے لیے بھی بیان فرماتا ہے جو زمین پر پیدا ہونے والی اور زمین پر چلنے پھرنے والی بعض حیوانی صورتیں ہیں۔ فرمایا وَأَنْزَلْنَاكَ (الحمد: ۲۶)

وَأَنْزَلْنَاكُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ ثُمَّ نَبِّئُكُمْ أَنْزِلَاجُ (النور: ۷)

اب ہم آپ کو کتنی بار سمجھائیں کہ مولوی صاحب! یہ قرآنی محاورہ ہے! یہ قرآنی محاورہ ہے!! یہ قرآنی محاورہ ہے!!! اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی اتنی بار یہ بات یاد کرائی جائے تو انہیں یاد ہو جاتی ہے

لیکن آپ کے دماغ میں نہ جانے کتنے پردے پڑ چکے ہیں کہ یہ واضح بات بھی اس میں داخل نہیں ہو رہی۔ نزول سے مراد قرآنی محاورہ میں قائمہ منہ چیز کی تخلیق یا بعثت ہے۔

## II

حیاتِ مسیح کے سلسلہ میں آپ نے آیت **يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ فَاَنْصُرْنَا** میں الفاظ **مُتَوَفِّيكَ** کے تفاسیر میں بیان کر دیا ہے بعض معانی کا ذکر کر کے نتیجہ رفیع جہانی نکالا ہے جو یقیناً آپ کی کوتاہ بینی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ **توفی** کے بارے میں یہ پہلا اصول آپ کیسے بھول گئے کہ باب **تفعل** سے یہ لفظ ہو۔ اللہ فاعل ہو اور ذمی روح مفعول ہو تو معنی سوائے موت یا نیند کے (جو موت ہی کی عارضی صورت ہے) اور کوئی معنی نہیں بٹھا سکتے۔ لیکن اگر موت کی بجائے نیند کے معنی کرنے ہوں تو اس کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر قرینہ کے بغیر متوفی کا لفظ استعمال ہوگا تو مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ سوائے موت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔

جہاں تک مفسرین کی متعدد آراء کا تعلق ہے، انہوں نے بھی دیگر معنی بیان کرنے کے باوجود موت کے معنوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ تاہم ان کے دوسرے معانی کو اپنے عقیدے کی تائید میں اختیار کر لیا آپ کو کچھ بھی قائمہ نہیں پہنچا سکتا۔ ان کے اس استدلال کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے جس کے مقابل پر یہ اٹل اور غیر مبتدل قانون کھڑا ہو کہ ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ خدا تعالیٰ فاعل ہو، ذمی روح مفعول ہو اور باب **تفعل** میں لفظ **متوفی** استعمال کیا گیا ہو تو مراد موت اور نیند کے سوا کچھ اور ہو۔

آپ بار بار بھول جاتے ہیں اور بار بار ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ تفاسیر میں جانے سے پہلے آیت کریمہ سے اپنا چیمپا چھڑالیں جس میں خدا تعالیٰ نے خود اسی لفظ **توفی** کی کامل تفسیر

بیان فرمادی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاجِلِ

(الزمر: ۴۲)

ترجمہ:- اللہ ہر شخص کی روح اس کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں

آئی (اس کی روح) اس کی غنڈ کے وقت (قبض کرتا ہے)

پس وہ ذی روح جس کی اللہ تعالیٰ توفیٰ قرار دے موائے اس کے کہ اس کا نیک کی

حالت میں ہونا ثابت ہو، اس کا مرنا یقینی اور قطعی ثابت ہو جاتا ہے۔

(۱۲)

آپ کا ایک اور اعتراض قائلین وفات مسیحؑ پر ان کی معمولی تعداد اللہ کم تر مقام ہے۔ جہاں آپ نے یہ تسلیم کر لیا وہاں آپ کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ ساری کتاب میں آپ نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ایک غیر منقطع اجماع چلا آ رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ دروگو کا حافظہ نہیں ہوتا۔ اپنی ایک جھوٹی دلیل پر آپ نے خود ایک تبر رکھ دیا جب یہ کہہ دیا کہ ازمنہ اولیٰ میں ایک تعداد رہی ہے۔ اگرچہ آپ نے قائلین وفات مسیحؑ کو مقام میں کم تر اور تعداد میں معمولی قرار دیا ہے۔ وہ جتنے بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں، ان کے صلح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ پس کہاں گئی آپ کی تعلیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک اجماع چلا آ رہا ہے۔

مولوی صاحب! جب گذشتہ اکابرین اُمت کے بارہ میں بات کریں تو مہوش سے بات کیا کریں کہ آپ نے جن لوگوں کو معدود سے چند اور مصرعے لکھا ہے۔ یاد رکھیں کہ ان میں حضرت ابن عربیؒ بھی شامل ہیں اور اسی فہرست میں علامہ ابن الورديؒ اور شیخ محمد اکرم مبارکیؒ

اور اسی طرح بعض دیگر مفسرین اور علماء بھی شامل ہیں جو نزولِ مسیح سے مراد ہرگز جسمانی نزول نہیں لیتے بلکہ روحانی اور بدنی طور پر کسی دوسرے جسم میں ظاہر ہونے ہی کو نزول قرار دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی زمانہ میں اکثریت کا کسی بات پر جم جانا جسے ہرگز اجماع کی حیثیت حاصل نہیں کیسے دلیل بن سکتا ہے۔ ایسی دلیل کی کوئی بھی شرعی یا عقلی حیثیت نہیں۔ ایک طرف نصوصِ قرآنی آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، احادیث صحیحہ آپ کو دکھائی جاتی ہیں اور ناقابلِ تردید عقلی دلائل آپ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ مگر آپ اکثریت کا ڈھونگ رچا کر اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ ایسے اجماع کی نصوصِ قرآنیہ کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں۔ پھر آپ اپنے اجماع کی قلعی ٹود ہی یہ کہہ کر کھول دیتے ہیں کہ اکثریت اس عقیدہ کی حامل ہے اور پھر اس نام نہاد اکثریت کو نصوصِ قرآنیہ کے خلاف دلیل بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ہم تو ایسے شخص کو کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ آپ سے تو خدا ہی سمجھے اور ضرور سمجھے گا۔

آپ نے قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کے قتل و قبال کے عہد کا ذکر کر کے سوال اٹھایا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰ سے عہد کرتے وقت معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں؟

مولوی صاحب آپ کے طرز استدلال پر حیرت محوتی ہے کہ اتنی دور کی کوڑی لائنوں کی کوشش کی ہے۔ ان احادیثِ قدسیہ پر آپ کی نظریوں نہیں گئی کہ جن کے مطابق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ آخری زمانہ میں مسیح نہ مرت قتل و قبال کرے گا بلکہ قتلِ خنزیر اور کبیر صلیب بھی۔

اب ان قطعی شہادات کے بعد آپ جو مسیح تک پہنچے ہیں اور ایسی حدیث لائے ہیں کہ جس کی سند ہی قابلِ اعتبار نہیں۔ اس عہد کوشش کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لیکن اصل تو آپ کی اس بوکھلاہٹ پر لطف آیا ہے کہ جو دلیل جماعتِ احمدیہ اپنے حق کے طور پر پیش کرتی





پس اگر ثابت ہو جائے کہ وہ فوت ہو چکا ہے تو لانا آپ کو ماننا ہو گا کہ جس آنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ بن مریم نبی اللہ کے لقب سے یاد فرما رہے تھے وہ بطور استعارہ استعمال فرما رہے تھے جیسے کسی بہت بڑے سخی کو ماتم خالی کہہ دیا جاتا ہے یا جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خود حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان سے اترنے والا ایلیاء قرار دیا۔ فرمایا ”وہ ایلیاء جو آنے والا تھا یہی یحییٰ، ذکر یہ کامیلا ہے جس کو تم نے شناخت نہیں کیا۔“ (متی باب ۱۰ آیت ۱۳ تا ۱۴)

پس یہ صاف بحث ہے اور اسی سلسلہ میں یہ رسالہ تحریر کیا جا رہا ہے اور ایسے قوی دلائل سے آپ کے طفلانہ دلائل کو توڑا جا رہا ہے کہ اگر آپ میں انصاف کا مادہ ہو تو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی مدد سے برأت کے ساتھ یہ اعلان کریں کہ یقیناً مسیح عیسیٰ ابن مریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام نبیوں کی طرح فوت ہو چکا اور آنے والا مسیح اسی کے نام پر اس کی خورپ آنے والا اُمت محمدیہ ہی کا ایک رمل عظیم ہو گا جس کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

مولانا آپ نے غلط بحث کر کے خواجواہ قارئین کی توجہ ایک غلط پر پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ نے یہی طرز اختیار کی ہے تو یاد رکھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ یہ قطعی گواہی بہت بڑی فوقیت رکھتی ہے کہ

”قُولُوا لَهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَكَ“

(مسند صحیح بخاری الاور الجلد الرابع صفحہ ۸۷، مولانا شیخ محمد طاہر الطبع الاعلى المنشی لکھنؤ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء و تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی قول کی تشریح میں حضرت امام ابن عربی فرماتے ہیں

فَإِنَّ النَّبُوَّةَ أَتَتْهُ أَنْ تَقْطَعَ بِوَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّمَا هِيَ نَبُوَّةُ الشَّرِيعِ لَا مَقَامَهَا قَلَا شَرَعَ يَكُونُ نَاسِخًا لِشَرْعِهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَا يَزِيدُ فِي شَرْعِهِ حُكْمًا آخَرَ وَهَذَا مُتَعَفًى قَوْلِهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا  
رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ يَكُونُ عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِي.

(فتاویٰ مکیہ - الجزرہ فی الامتداد مع ولا الکتب العربیہ الکبریٰ - مصر)

وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ختم ہوئی ہے وہ صرف شریعت  
وال نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس اب ایسی شریعت نہیں آسکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کی شریعت کو منسوخ قرار دے یا آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرے۔ یہی معنی اس  
حدیث کے ہیں کہ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو  
گئی۔ میرے بعد رسول ہے نہ نبی۔ یعنی کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو ایسی شریعت پر جو جو میری  
شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب کبھی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے تابع ہوگا۔  
• شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن المکرم الترمذی لکھتے ہیں :-

فَإِنَّ الَّذِي عَمِيَ عَنْ خَيْرِ هَذَا يُظَنُّ أَنَّ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ تَأْتِيهِ  
أَنَّهُ آخِرُهُ مُبْعَثًا فَأَيُّ مُتَقَبِّهِ فِي هَذَا؟ وَأَيُّ عِلْمٍ فِي  
هَذَا؟ أَتَأْتِيهِ أَيْضًا؟

(ختم الاولیاء والایم شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن المکرم الترمذی - المطبع الکاثولیکیہ بیروت صفحہ نمبر ۳۴)

ترجمہ :- پس یقیناً وہ لوگ جو خاتم النبیین کے معنی سے تامل نہیں کرتے ہیں کہ خاتم النبیین  
کے معنی یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ مجہول اس میں  
فضیلت کی کون سی بات ہے؟ اور معرفت کا کیا نکتہ ہے؟ یہ تو نادان اور بے وقوف لوگوں

کی تشریح ہو سکتی ہے۔

• عارف ربانی حضرت عبدالکریم جیلانیؒ فرماتے ہیں:-

لَا تَقْطَعُ حُكْمَ بُرْهَانِ الشَّرِيعِ بِخُذْ وَكَهَانَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
خَاتَمَ النَّبِيِّينَ لِأَنَّهُ جَاءَ بِالْكَمَالِ وَلَمْ يَعْزِ أَحَدٌ بِذَلِكَ -

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریف بند ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کیونکہ آپ ایک ایسی کامل شریعت لے آئے جو اور کوئی نبی نہ لایا۔“  
(الانسان الكامل، جلد ۱ ص ۱۷۱ - مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ - مصر)

• حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:- (م - ۱۱۷۶ھ)

”خُتِبَ بِهِ النَّبِيُّونَ أَنِّي لَا يُوْجَدُ مَنْ يَأْمُرُ اللَّهَ مُتَّبِعًا  
بِالشَّرِيعِ عَلَى النَّاسِ“

(تقیات الہیہ - جلد ۲ ص ۱۷۱ - مطبوعہ مدینہ برقی پریس بجنورہ - یوپی بھارت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شریعت دے کر مامور کرے۔“

(۱۳)

آپ نے علامہ ابن حجر کے اصحاب کے اس حوالہ کو سب سے مقدم رکھا ہے کہ ایسے نبی کی نفی نہیں ہوتی جو آپ سے پہلے منصب نبوت پر سرفراز ہو چکا ہو۔ حالانکہ ابن حجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کے قائل ہیں اور یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ابراہیمؑ کی تدفین کے وقت فرمایا کہ یہ خود بھی نبی تھا اور نبی کا بیٹا۔ پھر ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو عیسیٰ دیحی کی طرح بچپن میں نبوت مل گئی تھی

اور پھر اس کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اللہ جسم کے مابین تھے جسم کی تخلیق نہ ہوئی تھی معن و ذوق تھی۔ پس اگر رسول اللہ آدم کی تخلیق سے قبل نبی تھے تو اسی طرح ابراہیم کی نبوت کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

(قادیانی حدیث ابن حجر ص ۱۹۷ مطبع مصطفیٰ الیابی الملبی مصر ۱۹۶۷ء)

پس ابن حجر کے پیش کردہ ان قطعی دلائل کے بعد ان کی طرف کوئی دوسرا عقیدہ منسوب کرنا داغ طور پر ناانصافی ہے اور زبانی ہے۔ اگر بالفرض ان کا کوئی اور عقیدہ تھا بھی تو حضرت ابراہیم فرزند حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بالاعتراف اعلان کر کے وہ یقیناً اپنے مخالف عقیدہ کی نفی کر دیتے ہیں اور ایسے مضبوط دلائل اس عقیدہ کے حق میں لاتے ہیں کہ دوسری جگہ بیان شدہ بات محض ایک مفروضہ دکھائی دیتا ہے

اسی حدیث کہ ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے کی تشریح میں آپ کی اپنی فقہ حنفی کے امام حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:-

”یہ حدیث خاتم النبیین کے خلاف نہیں کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت منسوخ کرے اور آپ کی اُمت میں سے نہ ہو“

(موضوعات کبیرہ۔ ملا علی قاری ص ۷۹ مطبع محمدی لاہور)

اب فرمائیے کہ کیا مسیح غیر اُمت کا نبی نہیں۔ اور کیا ملا علی قاریؒ نے آیت خاتم النبیین کی یہ تشریح کرنے کے بعد کہ اس آیت سے مراد ختم نبوت ہے کہ اُمت جمعیت میں کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا جو شریعت محمدیہ کی تفسیح کرنے والا ہو اور آپ کے تابع نہ ہو، سو فی حدی احمدی عقیدہ کی تائید نہیں کر دی اور کیا اس ”جرم“ کی وجہ سے آپ کی قبیل کے علماء قطعی طور پر انہیں غیر مسلم اہل ذلہ اسلام سے خارج کرنے کی جرأت کریں گے؟

ختم نبوت کے اس معنی کی وضاحت بزرگانِ سلف کے ایک گروہ عظیم نے کی ہے جس میں علامہ حکیم ترمذی، سید عبد الکریم چیلانی، علامہ ابن عربی، علامہ عبد الوہاب شعرائی، علامہ قسّی، حضرت عبدالقادر جیلانی، علامہ تدریشتی، علامہ عبدالرحمان جامی وغیرہم شامل ہیں۔

اسی طرح فتویٰ دیتے وقت ان بزرگانِ اُمت کو فتویٰ میں شامل فرمایا جیسے جنہوں نے بعینہ یہی معنی ختم نبوت کے سمجھے کہ شریعت کو منسوخ کرنے والا کوئی نہیں آ سکتا۔ حال اُمت کے اندہ شریعت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع نبی آنا خارج از امکان نہیں۔

اختصار کی خاطر اور آپ کی تسلی کے لیے دو اقتباسات بطور مثال پیش ہیں۔  
حضرت عبدالعزیز ثانی فرماتے ہیں:-

”خاتم المرسلین کی بعثت کے بعد بطریقِ دراست و تبعیت آپ کے پیروکاروں کو کمالِ اہمیت نبوت کا حصول آپ کی خالقیت کے منافی نہیں۔ لہذا تشکیک کرنے والوں میں سے نہ ہو“  
(اردو ترجمہ مکتوبات و فتاویٰ حصہ پنجم ص ۸۸) دین پبلشنگ کمپنی، بندہ روڈ کراچی  
دوسرا حوالہ آپ کے اپنے پیرو مشرک و بانی دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کتبہ جو حضرت امام مجدد العزیز ثانیؒ کے حوالہ سے بہت زیادہ واضح اور قطعی نوعیت کا ہے۔

”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خالقیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا“

(تحدیر الناس ص ۱۲۷ مولانا محمد قاسم نانوتوی مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس)

مولوی صاحب ختم نبوت کی بحث کو ساتھ شامل کر کے آپ نے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی بالکل بے معنی اور لایعنی کوشش کی ہے۔ خصوصاً اسی صوفیوں جب لائٹنی بجڈی میں لاکر آپ لوگ لائفی جنس قرار دینے پر خوب تقریریں کرتے ہیں اور خوب اصرار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اشتباہ کا امکان رکھے بغیر یہ بات کھول کر پیش فرمادی ہے کہ ”میرے بعد

کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں پرانی قسم کا نبی ہو یا نبی کا لائق جس کے ہوتے ہوئے کوئی بھی نہیں آسکتا۔ تو کہیں گئے وہ آپ کے فرضی دوبارہ آنے والے عیسیٰ اگر وہ دوبارہ آئیں تو کسی قسم کے نبی تو بہر حال رہیں گے۔

مولوی صاحب ایسا درکھیے کہ قرآن کریم خصوصیت کے ساتھ صرف ایسے نبی کے پیدا ہونے کے امکان کو باقی رکھتا ہے جو اُمتِ محمدیہ میں سے ہو اور اس نے جو کچھ فیض پایا ہو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نہ کہ کسی غیر نبی سے۔ کیا آپ نے اس آیت کا کبھی مطالعہ نہیں فرمایا۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ  
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ  
وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (النساء: ۷۰)

ترجمہ: اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔

بہر حال چونکہ آپ نے غلط بحث کیا تھا اس لیے ہم بھی ذرا اصل مضمون سے ہٹ کر چند قدم آپ کے ساتھ چلے تاکہ آپ کو بتایا جائے کہ آپ پر ہر راہ بند ہے۔ اب اصل مضمون کی طرف یعنی وفات یا حیات مسیح کی طرف لوٹتے ہوئے آخر میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو سب سے بڑا اختلاف اور جدِ اگانہ نظریہ سمجھا جاتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر دو ہزار سال سے زندہ رہنا اور اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لیے دوبارہ آنا ہے۔ جب یہ مسئلہ حل ہوگا تو پھر سارے مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے، اور ختمِ نبوت کی سچی اور حقیقی تشریح بھی اس مسئلہ کے بعد ظاہر ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ عیسیٰ زندہ آسمان پر ہیں

تو لازماً وہی آئیں گے اور آخرین میں ظاہر ہونے والے وہی ہوں گے اور اگر اس کے برعکس قطعی طور پر ان کا فوت ہونا ثابت ہو جائے اور زندہ آسمان پر جانے کو ڈھکوسلہ ثابت کر دیا جائے تو وہ وجود جس کا نبی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لازماً اس کی مشابہت ہوگا نہ کہ بعینہ وہ خود۔ یہی وجہ ہے کہ نزول کے سبب ہی قائل ہیں لیکن جسمانی رفع کے سبب قائل نہیں۔ پس اس منظر میں سلسلے جھگڑوں کا واحد حل اسی وفات و حیات کے جھگڑے ہیں معترض ہے۔ اور کوئی اختلافی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وہ روک ہے جس کے دور ہوتے ہی سارے مسلمان فرستے ایک ہاتھ پر جمع ہو کر توحید کے قیام کے لیے خدمت اسلام کے لیے اور علیہ دین متین کے لیے کام کریں گے۔ اب وہ دن قریب ہیں جب ہر مسلمان عقیدہ حیات عیسائی سے بیزار و مایوس ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود مہدی معبود علیہ السلام بڑی متحدی کے ساتھ پیش گوئی فرماتے ہیں کہ:

”یاد رکھو، کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتا نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے کوئی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی، اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ نہانا صلیب کے غلبہ کا بھی گریگیا اور دنیا دمرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند کدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے۔“

(تذکرۃ الشہداء ص ۶۵ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

پس اس بنیادی اختلاف کے پیش نظر ایک اور واضح، کھلا اور انتہائی حقیقت پسندانہ



اعلان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعی دام جماعت احمدیہ کی طرف سے، اپریل ۱۸۹۵ء کو بمقام لندن جلسہ سالانہ کے موقع پر فرمایا گیا تھا۔ جس کی طرف آپ نے نہ خود نظر کی اور نہ عوام الناس کو اس طرف راہنمائی کی۔ پس کیا عجب کہ اپنے مرحومہ مسیح کی آمد سے مایوس ہو چکے ہوں ہم اس پر شوکت اور پختہ دلی اعلان کی طرف ایک دفعہ پھر آپ کی توجہ مبذول کراتے ہیں کہ:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اتر کے سامعہ ان کے (یعنی عیسائی) کے آنی کی خبر دے رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اپنے بیتہ مفکرین اسلام کے پیچھے چلو گے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلو گے اور آنے والا وہ مسیح اختیار کر دو گے جس کو امت موسوی سے نسبت ہے اور امت محمدیہ سے اس کو کوئی نسبت نہیں۔ یا وہ مسیح اختیار کر دو گے جو امت محمدیہ میں پیدا ہوا اسی امت سے نسبت رکھتا ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی غلام ہے۔ اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ موسوی مسیح پر امت راضی ہوگی یا محمدی مسیح پر جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو مسیح محمدی پر راضی ہو گئے ہیں اور جہاں تک مسیح کے مقام کا تعلق ہے ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمہارا ہے کہ امت محمدیہ میں آخرین میں مسیح نے آنا ہے وہ شریعت محمدیہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل طور پر مطیع اور امتی نبی ہوگا۔ اس مسیح کے مقام کے بارہ میں ہمارا سر مو کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بات ہم قطع طور پر یقینی سمجھتے ہیں اور تم بھی یقینی سمجھتے ہو کہ آنے والا لازماً امتی نبی ہوگا اور اس بات میں اختلاف ہی کوئی نہیں۔ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ آخرین میں ظاہر ہو گا والا موسوی امت سے تعلق رکھنے والا مسیح ہے یا امت محمدیہ میں عیسیٰ بن مریم کے منسل کے طور پر پیدا ہونے والا امتی نبی؟ تمہارا اپنا عقیدہ ہے اور مسلمہ

عقیدہ ہے

کہ جو شخص بھی مسیح کے نام پر آئے گا وہ لازماً نبی اللہ ہوگا۔ پُرانا آئے گا یا نیا آئے گا یہ ایک الگ بحث ہے اور تمہارے اپنے بڑے بڑے علماء تمہارے اپنے مفکرین یہ بھی بلکہ کہے ہیں کہ وہ ہوگا یقیناً

① نبی اللہ ————— اللہ اس نبوت سے عاری ماننے والا

کافر ہوگا بلکہ بعض عظیم بزرگوں نے یہ تسلیم کیا کہ

② پُرانا نہیں ہوگا ————— بلکہ بدنِ آخر سے متعلق ہو کر آئے گا

یعنی پہلا جسم نہیں بلکہ دوسرا کوئی شخص ظہور کرے گا اور پھر یہ بھی خود اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ مہدیؑ اور عیسیٰؑ دو الگ الگ وجود نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی وجود کے دو نام ہوں گے۔ لَا الْمَهْدِي إِلَّا عِيسَى كَافَرًا بِعِيسَى  
نبوی اس پر شاید ناطق ہے

فرمایا

”تم ناکام رہے ہو اور ..... ناکام رہو گے ..... اور کبھی عیسیٰ بن مریم کو جو موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نبی تھے زندہ نہیں کر سکو گے اور اگر وہ تمہارے خیال میں آسمان پر بیٹھے ہیں تو ہرگز تمہیں توفیق نہیں ملے گی کہ ان کو آسمان سے اتار کر دکھا دو۔ قسلاً بعد نسل تم ان کا انتظار کرتے رہو مگر خدا کی قسم تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔“

اس بارہ میں امام جہاد احمدیہ کے مذکورہ بالا خطاب میں تمام دنیا کے معاندین کو جو چیلنج دیا گیا تھا، آج تک آپ لوگوں کو قبول کرنے کی توفیق نہیں مل سکی۔ وہ چیلنج یہ تھا کہ اگر پُرانا عیسیٰؑ نے ہی امت کی راہنمائی کرنی ہے تو پورا زور لگاؤ۔ دعائیں کرو، سجدوں

میں گریہ و زاری کرواد جس طرح بن پڑے مسیح کو ایک دفعہ آسمان سے نیچے اتار دو تو پھر یہ  
 جھگڑا ایک دفعہ ختم ہو جائے گا اور ایسا عظیم الشان معجزہ دیکھ کر احمدی انبواے کو قبول کرنے  
 میں تم پر بھی سبقت لے جائیں گے لیکن یاد رکھو! ناممکن اور محال ہے اور ہرگز کبھی ایسا نہیں  
 ہوگا کہ جو شخص آسمان پر چڑھا ہی نہ ہو اور دیگر انبیاء کی طرح طبعی موت سے فوت ہو چکا ہو وہ  
 جسم سمیت آسمان سے نازل ہو جائے۔

سر کو بیٹھا آسمان سے اب کوئی آتا نہیں

عمر دنیا سے بھی اب تو آگیا ختم ہزار

تاریخیں کرام! قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں کثرت سے  
 قطعی ثبوت پیش فرمائے ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے ہم آپ کی خدمت میں صرف یہ  
 دو آیات پیش کرتے ہیں جو دو برہنہ موتی ہوئی تلواروں کی طرح ہیں جو قرآنی بیان کے خلاف ہر  
 کھڑے ہونے والے کا سر کاٹنے کے لیے تیار ہیں اور وہ یہ ہیں:-

### پہلی آیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی خبر دینے والی آیات میں سے ایک واضح آیت یہ

ہے:-

مَا نَبِيْعُ ابْنِ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌۭ ؕ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
 قَبْلِهٖ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ؕ كَاٰنَا يَا كُوْلٰنَ  
 الطُّعَاۡمِطِ

(صدقہ المائدہ رکوع ۱۰- پارہ ۶- رکوع ۱۴)

ترجمہ:- مسیح ابن مریم صوائے ایک رسول کے اور کچھ نہ تھے اور ان سے قبل تمام رسول گذر چکے

ان کی والدہ راستباز تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اب دیکھئے اس آیت سے کتنے واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ پہلے فرمایا کہ مسیح ابن مریمؑ ایک رسول کے سوا کچھ نہ تھے پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ ان سے قبل تمام رسول گذر چکے ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر ایک ناقابل رد دلیل پیش کر دی یہ ویسی ہی طرز کلام ہے جیسے کوئی کہے کہ زید ایک انسان کے سوا کچھ نہیں اور سب انسان مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ پس جس طرح اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ لازماً زید بھی مٹی کا بنا ہوا ہے اسی طرح مذکورہ بالا آیت سے حضرت مسیحؑ کی وفات ثابت ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر آپ کو رسولوں کے مقدس گروہ سے کوئی الگ چیز ماننا پڑے گا جو ظاہراً غلط ہے۔

قرآن کریم اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کی (یعنی مسیح کی) والدہ راست باز تھیں اور وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ اب تک زندہ موجود ہوتے تو کیا ان کے متعلق کھانا کھایا کرتے تھے کے الفاظ آنے چاہیے تھے؟ یقیناً نہیں بلکہ ایسی صورت میں تو چاہیے تھا کہ حضرت مسیحؑ کا ذکر حضرت مریمؑ سے الگ کر کے یہ فرمایا جاتا کہ (حضرت مریمؑ کھانا کھایا کرتی تھیں۔ مسیحؑ اب تک کھاتے ہیں اور وفات کے دن تک کھاتے رہیں گے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پس حضرت مسیحؑ کو بھی حضرت مریمؑ کے ساتھ ملا کر ایک گروہ سے ہوئے زمانے کے انسان کے طور پر آپ کا ذکر فرمانے سے اس مسئلے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت مسیحؑ ایک رسول سے بڑھ کر تہذیب نہیں رکھتے تھے اور جس طرح دوسرے رسول فوت ہوئے آپ بھی فوت ہوئے اور جس طرح باقی کھانا کھانے کے حاجت مند تھے آپ بھی کھانا کھانے کے حاجت مند تھے اور کھانے کے بغیر ہی زندہ رہنے کی کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی۔ اس آیت کے ہوتے

ہوئے بھی کوئی اگر حضرت مسیحؑ کو زندہ مانے تو یہ محض اس کی زبردستی ہوگی۔

### بعض عجیب تاویلیں

بعض لوگ اس آیت کی زد سے حضرت یحییٰؑ کو بچانے کے لیے عجیب عجیب تاویلیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تو فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے تمام رسولؐ گذر گئے یہ نہیں فرمایا کہ خود حضرت مسیحؑ بھی گذر گئے۔ انہوں نے کہ وہ خدا بھی اس طریقہ کلام پر غور نہیں کرتے۔ ادنیٰ سی زبان طانی سے بھی یہ بات سمجھ آ جانی چاہیے کہ حضرت مسیحؑ کو زمرہ رسل میں شامل کر کے جب سب رسولوں کے گذرنے کی خبر دی جا رہی ہے تو اس کے بعد حضرت مسیحؑ کا زندہ رہ جانا ایک امر محال ہے لیکن اگر کوئی صاحب اب بھی یہ اصرار فرمائیں کہ اس آیت سے مراد حضرت مسیحؑ سے پہلے انبیاء کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ کی نہیں۔ تو ان کی قدرت میں گزارش ہے کہ بشد انصافاً خود کر کے فرمائیں کہ اس صورت میں ذیل کی دوسری آیت سے کیا ثابت ہوگا۔

دوسری آیت | وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَكَانَ مِثْلَ مَاتٍ أَوْ قَتِيلٍ ۚ أَتَقَلَّبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ

(آل عمران رکوع ۱۵ پارہ ۴ رکوع ۶)

ترجمہ :- نہیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر ایک رسول اُن سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے پس اگر یہ بھی فوت ہو جائیں یا قتل کیے جائیں تو کیا تم اپنی اڑیلوں کے بل پھر جھاؤ گے؟

اب فرمائیے کہ حضرت یحییٰؑ علیہ السلام کیسے اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ پہلے ہی

تھے تو لازماً ان کی وفات تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ واضح طور پر یہ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض علماء اب بھی ضد سے کام لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا منوی اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کے سامنے سر ہکا دیں۔ اور اپنی غلطی و جزأت اور دیانتداری کیساتھ تسلیم کر لیں وہ اس آیت کی بھی عجیب و غریب تاویل شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہہ دیتے ہیں کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں جو لفظ "خَلَتْ" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب صرف مر جانا ہی نہیں بلکہ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا بھی ہے۔ اس لیے ہم اس کا یہ مطلب نکالیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے وہ سب یا تو مر گئے یا اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ لیکن ہم ناظرین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ محض ایک ذریعہ سی ہے ورنہ عربی میں جب بھی کسی انسان کے متعلق مطلق طور پر یہ لفظ "خلا" استعمال ہو تو اس کا مطلب موت ہی ہوا کرتا ہے جگہ چھوڑنا نہیں عجیب اتفاق ہے کہ عربی کی طرح انگریزی اور اردو محاورہ میں بھی گزر گیا کے الفاظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں یعنی رستے پر سے گزر جانا اور مر جانا۔ لیکن جب ہم یہ کہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء گزر گئے تو یہ معنی کرنے لگن مذاق ہوں گے کہ بعض انبیاء تو فوت ہو گئے اور بعض رستوں پر سے گزر گئے۔ یا ایک جگہ سے چل کر کسی دوسری جگہ جا پہنچے۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ عربی لغت واضح طور پر گواہی دے رہی ہے کہ جب مطلقاً کسی کے متعلق "خلا" کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس شخص کی موت ہوتی ہے۔ دیکھئے (۱) تاج العروس میں لکھا ہے "خَلَا فُلَانٌ" "إِذَا مَاتَ" یعنی جب کہا جائے کہ فلان شخص گزر گیا۔ تو مراد یہ ہوتی ہے کہ مر گیا۔ لغت ہی نہیں بلکہ تفاسیر میں اس آیت میں "خلا" سے مراد زندگی کا ختم ہونا ہی بیان کرتی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر القنوی علی البیضاوی جلد ۳ و تفسیر خازن جلد ۱ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے

کھا ہے کہ وَيَخْلُقُوا حَمًّا خَلَقُوا بِالنَّمُوتِ أَوْ اِنْقَتَلَ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دارِ قانی سے کوچ کر جائیں گے جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام طبعی موت یا قتل کے ذریعہ گذر گئے۔ پس ثابت ہوا کہ موت کے علاوہ اس لفظ کے کچھ اور معنی کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس آیت کے جوتے جوتے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت جیلے علیہ السلام اس آیت کے نزول کے وقت تک زندہ موجود تھے۔ کیا کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہی لفظ جو صاف صاف ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی موت کی خبر سے رہا ہو حضرت جیسی علیہ السلام کی دفعہ یکدم اپنے معنی ایسے تبدیل کرے کہ مارنے کی بجائے آسمان پر لے جا بٹھائے۔ اگر اسی طرح الفاظِ گڑبگ کی طرح اپنے رنگ بدلنے لگیں تو ہر بات کا ہر مطلب نکالا جاسکتا ہے۔ موت سے مراد زندگی اور زندگی سے موت مراد لی جاسکتی ہے۔ عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم بنایا جاسکتا ہے رات کو دن اور دن کو رات کہا جاسکتا ہے غرضیکہ جہانِ معانی میں وہ طوفانِ بے تیزی برپا ہوا اور ایسا اندھیرا آئے کہ ساتھ کو ہاتھ سمجھائی نہ دے!

### صحابہ کی گواہی

اگر ابھی بھی کسی صاحب کی پوری طرح تسلی نہ ہوئی ہو۔ تو ان کی تسلی کی خاطر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بھی ایک ناقابلِ رد گواہی پیش کی جاتی ہے جس کے بعد اس امر میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں رہتا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نزدیک بھی آیت وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا مطلب یہی تھا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے سب فوت ہو چکے اور کوئی بھی زندہ آسمان پر موجود نہیں۔ کتب تاریخ اور معتبر احادیث میں یہ واقعہ صریح ہے جسے امام بخاریؒ نے بھی نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ تو صحابہ غم کے مارے دیوانوں کی طرح ہو گئے یہاں تک کہ بعض کو یقین نہ آتا تھا کہ اکابرِ آقا ان سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا ہے۔ اس شدید غم کی کیفیت سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آپ ہرگز فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کیلئے اپنی قوم سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ سے مناجات کرنے گئے تھے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عارضی طبع پر ہم سے جدا ہوئے ہیں اور واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس صورتِ حال میں بعض صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف آدمی دے دئے۔ جب آپ تشریف لائے تو سیدنا و مولانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس حاضر ہوئے جو سفید کپڑے میں لپیٹی پڑی تھی۔ اس مبارک چہرے سے کپڑا اٹھایا اور یہ دیکھ کر کہ واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جھک کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ خدا تعالیٰ آپ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ یعنی یہ کہ آپ مر کر پھر زندہ اور زندہ ہو کر پھر نہیں مریں گے یا معنوی لحاظ سے یہ مراد ہو گی کہ آپ کا جسم تو مرے گا لیکن آپ کا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بہر حال یہ کہ آپ روتے ہوئے باہر صحابہ کے مجمع میں سے تشریف لائے اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر بعض آیات کی تلاوت کی جن میں سے پہلی یہ



محق کر:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ ۚ

(ال عمران ۴ پارہ ۳ رکوع ۶)

یعنی نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر خدا کے رسول۔ ان سے پہلے جتنے رسول تھے سب گزر گئے۔ پھر اگر آپ بھی وفات پا جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ روایت آتی ہے کہ اس آیت کو سنتے ہی صحابہ کو یقین ہو گیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ اللہ حضرت عمرؓ کا تو یہ حال ہوا کہ حد تک شدت سے نیم جان ہو گئے کھنٹوں میں سکت باقی نہ رہی اور لاکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیت پہلی مرتبہ نازل ہوئی ہو یعنی اس کا یہ مفہوم پہلی مرتبہ ہم پر روشن ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی طرح وفات پا جائیں گے۔

پھر کیا ہمیں علماء سے یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ اگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام نبی فوت ہو گئے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا جائیں گے تو کیوں حضرت عمرؓ اداان کے ہم خیال صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ سے تلواریں سونپتے ہوئے یہ سوال نہ کیا کہ جس آیت کی مدد سے تم سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیتے ہو وہ تو ایک ادنیٰ شان کے نبی یعنی سید ناصریؑ کو بھی مارنے کی طاقت نہیں رکھتی اگر وہ اس آیت کے باوجود زندہ آسمان پر چڑھ سکتے ہیں تو کیوں ہمارا آقاؐ ایسا نہیں کر سکتا جو خیر دو عالم تھا اور سب نبیوں کی بڑائی اسے عطا ہوئی تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مقصود عالم کہ جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا اُسے تو یہ آیت مار کر زیر زمین سلا دے اور ایک ادنیٰ شان کے نبی کو جو اس کی غلامی پر غرور

کرنے کے لائق تھا جسم سمیت زندہ اٹھا کر چوتھے آسمان پر لے جا بٹھائے ! لیکن ایسا نہیں ہوا اور کسی ایک صحابیؓ کی زبان پر بھی یہ اعتراض نہ آیا۔ ان میں ابو بکرؓ بھی تھے اور عمرؓ بھی اور عثمانؓ بھی اور علیؓ بھی اور پھر عائشہؓ بھی انہی میں تھیں۔ اور فاطمہ الزہراءؓ بھی۔ یہ سب عشاقِ رسول اس وقت موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی تو اعتراض کے لب نہیں کھولے اور سب نے اپنے مولایِ رضا اور اس کی قضاء کے حضور روتے روتے سر جھکا دیئے !! قرآن کا ہر فیصلہ ان کے لیے ناطق اور آخری تھا ! اللہ اللہ صحابہؓ کے تقویٰ اور رُوح اطاعت کی کیا شان تھی !! ایک طرف تو دُورِ عشق کا یہ عالم کہ اپنے محبوبِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تصور بھی برداشت نہ تھا۔ اور ہاتھ اٹھ اٹھ کر تلواروں کے قبضوں پر پڑتے تھے۔ کہ جو کوئی اس رسول کی وفات کی خبر زبان پر لائے گا۔ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ پھر کہاں اطاعت خداوندی کا یہ بے مثال منظر کہ قرآن کے ایک چھوٹے سے کلمے کی خاطر بے چون و چرا اُسی رسول کی مُبدائی برداشت کر گئے کہ جسے زندہ رکھنے کی خاطر ان میں سے ہر ایک کو ہزار جایش بھی دینی پڑتی۔ صد ہزار جگہ بھی مرنے پر تیار نہ کرتے دیکھو دیکھو کلامِ الہی کے ان چند الفاظ نے کیسا تغیرِ عظیم برپا کیا۔ کہ وہ عشاق جو چند لمحے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر زبان پر لانے والوں کی جان کے دہ پے تھے۔ خود ان کی اپنی جان کے لائے پڑ گئے اور قویٰ بیکل جوانِ علم و اندوہ کی شدت سے پچھا دکھا کھا کر زمین پر گرے ! لیکن یہ دہم تک کسی کے دل میں نہ گذرا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی آیت کی تاویل اپنی مرضی کے مطابق کر لیں۔ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تسلیم کرنے سے انکار کر دیں !!! پھر دیکھو سب جگہ کے علماء کو کیا ہو گیا !! کیوں ان کی محبت کے دھارے رسولِ مکی و مدنی سے رُخ موڑ کر مسیحِ ناصریؑ کی جانب بہنے لگے اور کیوں بنی اسرائیل کے اس گندے ہوئے رسول کی محبت میں ایسے مد سے گذر گئے کہ قرآن کے واضح ارشادات کو بھی پس پشت ڈالنے کی جرأت کرنے لگے۔ ..... یہاں تک کہ جن الفاظ میں یہ علماء

خود ہی مانتے ہیں کہ قرآن کریم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی تھی۔ قَدْ  
خَلَعْتَ مِنْ قَبْلِهِ الزُّمْلُ کے وہی بعینہ وہی الفاظ جب مسیح ناصری کے حق میں  
استعمال ہوئے تو اس آیت کے معنی کچھ اُٹھ کرنے لگے۔ کاش وہ حسان بن ثابتؓ کی اندھی  
مگر پُر بصیرت آنکھ ہی سے عرب میں ظاہر ہونے والے اُس نور کو دیکھنے کی قدرت رکھتے  
اور اس انسانِ کامل کے حُسن کو سراہنا جانتے۔ کہ جو مجسم نور تھا اور جس نے صحابہؓ کے قلوب کو کمال  
حُسن سے شیفہ و فریفتہ کر رکھا تھا۔ کاش وہ حسان بن ثابتؓ کے ہنوا ہو کر فخر و دو عالم صلے اللہ علیہ  
وسلم کو مخاطب کر کے کہہ سکتے۔

كُنْتَ السَّوَادَ بِنَاظِرِي۔ فَعَيْنِي عَلَيْكَ النَّاطِرُ

مَنْ سَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ۔ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أَحَادِرُ

کہ اے میرے محبوب تو تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ پس آج میری آنکھ کی پتلی  
تیری وفات سے اندھی ہو گئی۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرنے پرے۔ مجھے  
تو اب تیری ہی موت کا ڈر تھا۔

یہ وہ شعر ہیں جو ایک نابینا شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کے وصال پر آپ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

اے آقاؐ ملکی و مدنی کی محبت کا دم بھرنے والو دیکھو! یہ تھی وہ رُوح جس رُوح  
کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اپنے محبوب آقاؐ کے ساتھ یہ مثال محبت کی۔ ان کے نزدیک  
اگر دنیا میں کوئی انسان نبی و پیکرِ حق رکھتا تھا تو فقط وہ رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے  
اور ان کی وفات کے بعد انہیں کچھ بھی اس امر کی پرواہ نہ تھی کہ خطہ ارض پر آنے والے ہر  
زمانے کے تمام رسول سزاوارِ نعتِ فوت ہو جائیں۔ لیکن ہمارے ان کرم فرما علماء کو بھی ذرا  
دیکھو کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مارے دیتے ہیں اللہ سبحانہ کی زندگی کے کیسے

خواہاں ہیں! ہاں اسی کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ کہ جس کی زندگی خود انہی کے عقائد ان کے دل و جان سے عزیز و نظریات اور تناظر کی موت ہے۔ ہاں اس کی زندگی کے خواہاں ہیں کہ جس کی زندگی کے باطل تصور نے دنیا کو مشرق سے تا مغرب شرمک سے بھر دیا ہے، اور عیسائیت کے مقابل پر اسلام کو محض بے دست و پا کر رکھا ہے۔

آخر میں لادھیانوی صاحب کو بہار احمد روانہ کرتا ہوں کہ جس جیسی کو آپ دلائل کی روش سے آسمان پر چڑھانے میں بڑی طرح ناکام رہے ہیں علما اسے زمین پر اتارنے میں بھی کلیتہً ناکام رہے ہیں۔ پس اگر آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہوتی کہ اے اللہ پڑا نے عیسیٰ کو ہی آسمان سے بھیج دے تو اب یہی دعا کیجیے کہ خدا تعالیٰ آپ کو وہ موت دے جس کے معنی بقول آپ کے زندہ آسمان پر پلے جانا ہے۔

عیسیٰ آسمان سے اتریں یا نہ اتریں جس دن آپ آسمان پر چڑھ گئے تب بے شک آپ کے مرید ہم پر حجت کرنے کا حق رکھیں گے۔ اللہ جب تک ایسا نہیں ہوتا آپ ہم سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے مجاز نہیں رہے۔

